

بارات اور جہیز کا تصور؛ مفاسد اور حل

(مولانا) حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

بیٹیاں اور ان کی اولاد) تو کئی کئی دن پہلے آ کر شادی والے گھر میں ڈیرے ڈال لیتی ہیں اور مختلف رسوں (مائیوں، مہندی وغیرہ) کے علاوہ کئی کئی راتیں مسلسل ڈھولکیاں بجاتیں اور اہل محلہ کی نیندیں خراب کرتی ہیں۔

پھر نکاح والے دن بقیہ خاندان اور احباب وغیرہ جمع ہو کر ایک لاؤ لشکر کی صورت میں لڑکی والوں کے گھر جاتے ہیں جس کی ضیافت اور ٹھہراؤ کے لیے کسی شادی ہال یا کسی بڑے مکان کا انتظام لڑکی والوں کو کرنا پڑتا ہے۔ اس طرح ان کو ایک بہت بڑا بوجھ برداشت کرنا پڑتا ہے، جن کے پاس وسائل کی فراوانی ہوتی ہے ان کے لیے تو یہ بوجھ کوئی اہمیت نہیں رکھتا لیکن جن کے پاس زیادہ وسائل نہیں ہوتے ان کو بھی خواہی ناخواہی یہ سب کچھ کرنا پڑتا ہے چاہے وہ زیر بار ہو جائیں اور اس بوجھ کو اتارنے میں وہ ساکھاسال پریشان رہیں۔

۲: ایسے موقع پر لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے اور اللہ سے بے خوفی کے نتیجے میں یہ تصور بھی عام ہے کہ یہ خوشی کا موقع ہے اس وقت جو چاہیں کر لیں، اس کا جواز ہے، چنانچہ بڑی بڑی شیطانی حرکتیں کی جاتی ہیں اور باراتی ان سے خوب محظوظ ہوتے ہیں، اس طرح سب گناہ میں شریک ہو جاتے ہیں۔ بلکہ اکثر اوقات لڑکی والوں کی طرف سے بھی ایسا مطالبہ اور اس پر اصرار ہوتا ہے۔ یوں دونوں خاندان اور ان کے سارے عزیز و اقارب اجتماعی طور پر نہایت دھڑلے سے اللہ کی نافرمانیاں کرتے اور شریعت اسلامیہ کی وجہاں اڑاتے ہیں جب کہ اسلامی تعلیم کی رو سے انفرادی گناہ جو خفیہ اور چھپ کر کیا جائے، اگرچہ وہ بھی گناہ ہے لیکن اگر کوئی گناہ کا کام کھلم کھلا لوگوں کے سامنے کیا جائے تو اس جرم کی شاعت

شادیوں میں بارات کا رواج کب سے شروع ہوا؟ یعنی پورے خاندان، برادری اور دوست احباب کے ایک جم غفیر اور انہوے کثیر کو لے کر لڑکی والوں کے گھر جانا۔

تاہم یہ بات تو واضح ہے کہ عہد رسالت و عہد صحابہ و تابعین یعنی دور خیر القرون میں اس کا نام و نشان نہیں ملتا۔ صرف گھر کے چند افراد جانتے اور خاموشی اور سادگی کے ساتھ گھر کے ایک کونے میں بیٹھ کر نکاح پڑھنے لڑکی کو اپنے ہمراہ لے آتے، شرعاً نکاح میں اعلان ضروری ہے اور یہ اعلان طرفین کے گھر والوں کے سامنے ہو جاتا تھا، نیز ویسے میں مزید لوگوں کے علم میں آ جاتا۔

اب جو بارات کا عام رواج ہے جس کے بغیر شادی کا تصور بھی ممکن نہیں، اس کے بے شمار مفاسد ہیں۔ ان میں سے چند بڑے مفاسد حسب ذیل ہیں:

۱: سارے دوست احباب اور خاندان اور برادری کے لوگوں کو زیادہ سے زیادہ جمع کرنا اسراف (فضول خرچی) ہے۔ پہلے خود لڑکے والوں کو تمام مہمانوں کے بیٹھنے اور خاطر تواضع کا انتظام کرنا پڑتا ہے۔ قریبی رشتے داروں کے لیے تو یہ انتظام کئی کئی دن کے لیے کرنا پڑتا ہے۔ پھر ان سب کو ساتھ لانے اور لے جانے کے لیے بسوں اور گاڑیوں کا انتظام اس پر متراد۔ اس سے بھی پہلے شادی کا روضوں کی اشاعت کا مسئلہ آتا ہے۔ پہلے تو سادہ سے کارڈ چھپوا کر اطلاع کا اہتمام کر لیا جاتا تھا، اب اس میں بھی پیسے والوں نے بڑی جدتیں اختیار کر لی ہیں اور اتنے اتنے گراں کارڈ چھپنے لگے ہیں کہ ان کو دیکھ کر اس قوم کی فضول خرچی پر سرپیٹ لینے کو جی چاہتا ہے۔ علاوہ ازیں زیادہ قریبی رشتے دار (بہنیں اور

و قباحہ کی گناہ بڑھ جاتی ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((کل امتی معافی الا المجاہرین۔))

(صحیح بخاری، رقم: ۶۰۶۹)

”میری امت کے سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں سوائے

ان گناہ گاروں کے جو کھلم کھلا گناہ کا ارتکاب کرنے والے۔“

ہوں گے۔“

اجتماعی طومپہ کیے جانے والے یہ گناہ جو باراتیوں کے جنوم میں اور ان کی وجہ سے کیے جاتے ہیں، حسب ذیل ہیں:

* بینہ باجوں کا اہتمام جن کی شیطانی رهنوں سے لوگ محفوظ ہوتے ہیں حتیٰ کہ ان پر نونوں کی بارش کی جاتی ہے جس کا نام ویل وینا رکھا ہوا ہے۔

* آتش بازی، جو ”گھر پھونک، تماشہ دیکھ“ کی مصداق ہے، ہزاروں روپے اس پر اڑا دیے جاتے ہیں۔

* ہوائی فائرنگ، جس کی زد میں آئے دن بعض باراتی یا اڑوس پڑوس کے لوگ آ جاتے ہیں اور موت کا شکار ہو جاتے ہیں۔

* بھنگڑا اور لڈیاں ڈالنا، اس کا رواج بھی بڑھتا جا رہا ہے حتیٰ کہ بعض باراتوں میں یہاں تک دیکھا گیا ہے کہ خواتین بھی اس میں شریک ہو جاتی ہیں۔

* پیسے لٹانا، پہلے تو بزرگاری کی شکل میں تھوڑی سی رقم ہی اس پر خرچ ہوتی تھی، اب یہ رسم نونوں تک پہنچ گئی ہے اس طرح اس مد پر بھی ہزاروں روپے برباد کر دیے جاتے ہیں۔

* قریبی رشتے دار اور دوست احباب دو لمبے کونوٹوں والے اور دیگر انواع و اقسام کے ہاروں سے لا دویتے ہیں جن کا بوجھ اس کے لیے ناقابل برداشت ہو جاتا ہے، یہ بھی فضول خرچی کی ہی ایک مد ہے۔

* یہ بارات جب لڑکی والوں کے ہاں (ہال یا گھر میں) پہنچتی ہے، تو نو جوان لڑکیاں اور کسر بے پردہ عورتیں دونوں طرف ہاتھوں میں پھولوں کے تھال کپڑے ہوئے دو لمبے اور باراتیوں کا

استقبال کرتی ہیں اور ان پر گل پاشی کرتی ہیں۔ یہ بھی بے پردگی کی ایک ایسی بے ہودہ رسم ہے جس کی توقع کسی مسلمان مرد عورت سے نہیں کی جاسکتی۔

* بارات کے ساتھ کرائے کے مووی میکر ہوتے ہیں جو ان ساری خرافات کو بھی اور ہال میں ہونے والی ساری کارروائی کو بھی (نکاح کی تقریب سے لے کر دلہن کی رخصتی تک) فلم بند کرتے ہیں اور ایک ایک سین کو بالخصوص خواتین کے مختلف پوزوں کو اور دلہن کے ایک ایک پوز کو محفوظ کرتے ہیں اور بعد میں دونوں خاندانوں کے گھروں میں بے حیائی کے ان مظاہر کو بڑی دلچسپی سے دیکھا جاتا ہے۔

* بارات میں خواتین کا بھی ایک ریلا شریک ہوتا ہے جو سب سے بے پردہ، نہایت بھڑکیلے، بزرق برق، حتیٰ کہ عریاں اور نیم عریاں لباس میں ملبوس، نہایت بے ہودہ میک اپ اور سولہ سنگار سے آراستہ اور زیورات میں لدی پھندی ہوتی ہیں۔ گویا وہ شادی کی ایک بابرکت تقریب میں نہیں بلکہ وہ مقابلہ حسن یا آرائش و زیبائش اور بے پردگی و بے حیائی کے مقابلے میں شریک ہونے کے لیے جا رہی ہیں۔

* اب بہت سی جگہوں پر مخلوط اجتماع بھی ہونے لگے ہیں، یعنی مردوں اور عورتوں کے لیے الگ الگ جگہیں نہیں ہوتیں، کھانے کا الگ الگ انتظام نہیں ہوتا، بلکہ بغیر کسی تفریق اور پردے کے مرد اور عورت کے لیے ہال بھی ایک اور کھانے کی میزیں بھی مشترک، انا لڈ وانا لڈ راجعون۔

* آخر میں مراثیوں کا ایک غول آ جاتا ہے جو اٹنی سیدھی سنسانے والی باتیں ہانک کر اور بڑی مار کر باراتیوں سے ”وٹلیں“ وصول کرتے ہیں۔

* اور بعض جگہ اور بعض خاندانوں میں بجرے کا رواج ہے۔ منٹ (بیجڑے) نسوانی لباس اور نسوانی ناز و ادا دکھا کر اور ناچ

ثانیاً: قدم قدم پر اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہے۔

ثالثاً: ڈنکے کی چوٹ اور علانیہ طور پر بڑے بڑے گناہوں کی جسارت ہے جس کی توقع کسی مسلمان سے نہیں کی جاسکتی۔

رابعاً: بد اخلاقی اور بد تہذیبی کے مظاہر ہیں جن کی توقع کسی بھی مہذب اور شائستہ قوم سے نہیں کی جاسکتی، چہ جائیکہ اسلام کے ماننے والے ان کا ارتکاب کریں؟

تمام مذکورہ خرافات کے بعد آخر میں فونو سیشن ہوتا ہے جس میں مرد و عورت سب اسٹیج پر یا اور کسی نمایاں جگہ پر جمع ہوتے اور باری باری ہو دلہا اور دلہن کے ساتھ فونو کھنچواتے ہیں، یہ سراسر بے پردگی اور مخلوط اجتماع ہوتا ہے۔

ان تمام مفاسد اور خرابیوں سے بچنے کا ایک ہی طریقہ اور ایک ہی حل ہے کہ باراتوں کا سلسلہ ختم کیا جائے۔ دلہا کے ساتھ خاندان کے چند لوگ لڑکی والوں کے گھر جائیں، لڑکی والے بھی اپنا پورا خاندان جمع کرنے کے بجائے چند ضروری افراد ہی کو اس تقریب میں شریک کریں اور گھر کے ایک کمرے ہی میں نکاح کر کے حسب استطاعت مہمانوں کی ضیافت کر کے اپنی بچی کے ہمراہ ان کو رخصت کر دیں۔ اس طرح اس تقریب کے لیے نہ شادی ہال کی بجگہ کی ضرورت ہو گی، نہ مہمانوں کے لیے درجنوں کے حساب سے دیگیوں، مختلف ڈشوں اور دیگر اشیائے طعام کی۔ نہ عورتوں کی بے پردگی و بے حیائی کا فتنہ اور نہ بیہیز باجوں، آتش بازی کا کھٹکا اور نہ موسیقی فلموں کی حیا سوز فتنہ انگیزی اور نہ دیگر بے شمار خرابیوں کا ظہور، جس کی تفصیل گزشتہ طور میں پیش کی گئی ہے۔ ﴿فَهَلْ مِنْ مُدْكِرٍ﴾ کیا کوئی ہے ان نصیحتوں پر کان دھرنے والا؟ سادگی اور اسلامی تعلیمات کو اختیار کرنے والا؟ اور لوگوں کی ناراضی اور لومۃ لائم (لامت گردن کی ملامت سے) بے خوف ہو کر صرف اللہ کو راضی کرنے والا؟

بارات میں عورتوں کی شرکت کے مزید مفاسد:

لڑکی والوں کے گھر جاتے وقت سوائے گھر کی خواتین (بیٹے کی

گا کر باراتیوں کا دل بھاتے ہیں اور ان سے خوب ویلیس وصول کرتے ہیں اور باراتی بھی ان پر فونوں کی بارش برساتے ہیں۔

* کھانے کے موقع پر بھی اکثر و بیشتر عجیب ہڑ بولگ بجتی ہے، کھانے پر لوگ اس طرح ٹوٹ کر پڑتے ہیں، جیسے کھڑکی میں چارہ ڈال مویشیوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور وہ "یسا کلون کما تسائل الانعام" کے مصداق ہو جاتے ہیں۔ یا جیسے بھوکے گدہ ہوتے ہیں یا جیسے ایسے وحشی اور غور قسم کی قوم کے افراد ہوں جن کو کبھی کھانا نصیب نہیں ہوا یا جن کا کوئی تعلق تہذیب و شائستگی سے نہ ہو۔

علاوہ ازیں ہر شخص اپنی اپنی پلیٹوں کو اس طرح بھر لیتا ہے کہ اکثر وہ اس سے کھایا ہی نہیں جاتا اور آدھی آدھی پلیٹیں بھری ہوئی چھوڑ دیتے ہیں، وہ سارا کھانا کوڑے میں پھینک دیا جاتا ہے۔ حالانکہ اس صورت حال کے پیش نظر میزبان ضرورت سے زیادہ وافر مقدار میں کھانا تیار کروا تا ہے اور یہ اندیشہ قطعاً نہیں ہوتا کہ کسی کو کھانا نہیں ملے گا۔ بعض دفعہ کسی میز پر بیرے کو دوبارہ کھانا لانے میں ذرا دیر ہو جاتی ہے تو لوگ معمولی سا انتظار کرتے کے بجائے ہونک شروع کر دیتے ہیں۔ بد اخلاقی اور تہذیب و شائستگی سے عاری یہ مظاہر اتنے عام ہیں کہ ہم ان تقریبات میں غیر مسلم اشخاص کو بلانے کی جسارت نہیں کر سکتے کہ وہ یہ سب کچھ دیکھ کر ہم مسلمانوں کے اخلاق و کردار کے بارے میں کیا تاثر قائم کریں گے کہ یہ اسی مسلم قوم کے وارث ہیں جن کے اسلاف نے دنیا کو مکارم اخلاق اور تہذیب و شائستگی کا درس دیا تھا اور جن کے پیغمبر بھی خلقِ عظیم کے مالک تھے اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم ہی کے لیے مبعوث ہوئے تھے۔ جس کے بہترین نمونے ان کے پیروکاروں (صحابہ کرام و تابعین عظام) نے دنیا کے سامنے پیش کیے اور دنیائے انسانیت میں معلمِ اخلاق کے نام سے معروف ہوئے۔

یہ سارے مظاہر، جن کے کچھ نمونوں کی تفصیل آپ کے سامنے پیش کی گئی، اولاً: سراسر اسراف و تبذیر میں داخل ہیں جن کے سرنگین کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے انھوں (شیطانوں کے بھائی) قرار دیا ہے۔

ماں اور بہنوں) کے، خاندان کی عورتوں اور دوست احباب کی بیگمات کو قطعاً ساتھ نہ لے جایا جائے اس لیے کہ بارات میں عورتوں کی شرکت بھی بے شمار مفاسد کا باعث ہے۔

عورتوں میں سادگی کا تصور بالکل ختم ہو گیا ہے، حالانکہ حکم یہ ہے کہ عورتیں بالکل سادہ لباس میں باپردہ گھرتے باہر نکلیں۔ جب کہ ہوتا یہ ہے کہ خاندان میں کسی کی شادی کی اطلاع ملتے ہی گھر کی خواتین مردوں کو مجبور کرتی ہیں کہ گھر میں (بچیوں اور بیوی سمیت) تمام خواتین کے لیے کم از کم دو دو سٹ اعلیٰ قسم کے تیار کیے جائیں۔ ایک نکاح والے دن اور دوسرا ویسے والے دن کے لیے کیوں کہ خاندان کی ساری عورتوں نے ان کو دیکھا ہے۔ دونوں دن ایک ہی سوٹ میں اور سادہ لباس میں ملبوس ہونے کی صورت میں ان کی سبکی ہوگی۔

محدود آمدنی والے مرد کے لیے اپنے محدود بجٹ میں اس کے لیے گنجائش نکالنا بڑا مشکل ہوتا ہے۔ علاوہ ان (لباس اور اس کی سلائی کے علاوہ) سادگی کا تصور ختم ہونے کی وجہ سے میک اپ اور سولہ سنگھار کا سامان کا بھی مہیا کرنا ضروری ہوتا ہے اور آنے جانے کے لیے کرائے کی گاڑی بھی ضروری ہے۔

جو صاحب حیثیت گھرانے ہیں ان کی بیگمات کا مذکورہ اخراجات کے علاوہ زیورات کے نئے طلائی سیٹ کا مطالبہ ہوتا ہے۔ گھر میں پہلے جو سیٹ بلکہ بعض کے ہاں کئی کئی سیٹ جوتے ہیں، ان کا کہنا ہوتا ہے وہ پرانے ہیں یا فلاں کی شادی میں میں نے وہ پہنے تھے، اب وہی سیٹ اس شادی میں میں نے نہیں پہننا ہے۔ اور آج کل کے زن مرید قسم کے شوہر یہ مطالبہ بھی پورے کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

اور اب بہت سی خواتین میک اپ کے لیے بیوٹی پارلروں کی خدمات بھی حاصل کرتی ہیں اور وہاں سے اپنے بال، چہرہ اور مکمل حلیہ جہاں کہ شادیوں میں شریک ہوتی ہیں تاکہ وہ لباس اور زیورات ہی میں نہیں بلکہ حسن و جمال اور آرائش و زیبائش میں بھی یکساں اور ممتاز نظر آئیں۔ پھر ان تکلفات و تصنیعات میں پردے اور نماز پڑھنے کا

اہتمام کیوں کر ممکن ہو سکے گا؟ چنانچہ ہماری شادیوں میں ان سب کا تصور ختم ہو گیا ہے۔ پردہ کریں گی تو آرائش و زیبائش کے یہ مناظر لوگوں کو کب نظر آئیں گے؟ اور نماز کے لیے وضو کریں گی تو میک اپ کا یہ کرشمہ ”مصنوعی حسن“ بہہ جائے گا اور چہرے کی اصل رنگت اور اصل خدو خال نمایاں ہو جائیں گے۔

یہ عورتیں جب شادی والے گھر یا شادی ہال میں اکٹھی ہوتی ہیں تو ان کی نظریں دیگر تمام عورتوں کے لباس، زیورات اور میک اپ کا جائزہ لیتی ہیں۔ اگر وہ ان سب میں ممتاز ہوں تو اللہ کے شکر کی بجائے، شیطان ان کے اندر تفاخر اور تکبر کا احساس اور اپنے سے کم تر عورتوں کی تحقیر کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے بلکہ بعض دفعہ تو سادہ مزاج قسم کی عورتوں کی بابت اس قسم کے تبصرے بھی ان کے نوک زباں پر آتے ہیں کہ فلاں کو دیکھو! اللہ نے اس کو سب کچھ دیا ہے لیکن تیسوں اور فقیروں کے سے لباس میں یہاں آئی ہے، یعنی یہ سادگی، جو اللہ کو پسند ہے، ان شیطان صفت عورتوں کو بری لگتی ہے۔

* یہ عورتیں ایک جگہ جمع ہوتی ہیں تو اکثر و بیشتر ان کی باہم گفتگو کا موضوع ایک دوسرے کی غیبت اور ایک دوسرے پر لعن طعن ہوتا ہے۔ اللہ کا ذکر شاذ و نادر ہی ان کی زبانوں پر آتا ہے۔

* مووی فلم میں، جو آج کل شادیوں کا (بارات میں بھی اور ویسے میں بھی) ایک لازمی حصہ بن گیا ہے، ان بے پردہ اور فیشن پرست عورتوں کے ایک ایک سین کو محفوظ کر کے ان کے حسن و جمال اور بناؤ سنگھار اور لباسوں کی ترارش خراش بلکہ عریانی و نیم عریانی کو عام کر کے دونوں خاندانوں میں ان کی نمائش کا اہتمام اور ان کا چرچا ہوتا ہے حالانکہ عورتوں کی یہ ساری خوبیاں اور آرائش و زیبائش کی ساری صورتیں صرف خاوند کے لیے جائز اور اسی کے لیے مخصوص ہیں۔ لیکن بے چارہ مرد تو اپنی بیوی کو اپنے گھر میں بالعموم اس کے برعکس حالت میں دیکھتا ہے کیوں کہ عورتیں اپنے خاوند کے لیے اس طرح کی آرائش و زیبائش کا

اہتمام نہیں کرتیں جب کہ ان کو اس کے سامنے بناؤ سنگھار کرنے کی نہ صرف اجازت ہے بلکہ حکم ہے لیکن جب ان کو باہر جانے کی ضرورت پیش آتی ہے تو اس طرح بن سنور نکلتی ہیں کہ اللہ کی پناہ! بالخصوص شادیوں میں تو اس کی بے پردگی، ان کا نیم عریاں لباس، میک اپ، غارہ و لپ سنک، ان کی ایک ایک حرکت و آواز ایک غارت گردین و ایمان اور ہزن جنکین و ہوش کی المرحہ حسینہ اور دل ربا چیل بازی عورت سے کم نہیں ہوتی حالانکہ حکم یہ ہے کہ عورت جب گھر سے باہر نکلے تو پارہ اور سادگی سے نکلے، حتیٰ کہ اس کی خوش بو کی مہک بھی کسی مرد کو محسوس نہ ہو۔ نبی ﷺ کا ارشاد گرامی ہے:

((ایما امرأۃ استعطرت فمرت علی قوم لیجدوا من ریحها فہی زانیۃ۔)) (سنن نسائی، رقم:

۵۱۲۹، سنن ابی داود، رقم: ۵۱۷۳)

”جو عورت خوش بو لگا کر (باہر نکلتی ہے اور) لوگوں کے پاس سے گزرتی ہے تاکہ وہ اس کی خوش بو سونگھ لیں تو وہ بدکار ہے۔“

احادیث میں ایک واقعہ بیان ہوا ہے کہ ایک عورت حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے گزری تو انھوں نے اس سے خوش بو مہکتی ہوئی سونگھی، انھوں نے پوچھا: اے اللہ کی بندی! کیا تو مسجد میں آئی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ انھوں نے کہا: اور مسجد میں آنے کے لیے تو نے خوش بو لگائی ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: میں نے اپنے محبوب پیغمبر ابوالقاسم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا ہے:

((لا تقبل صلاۃ المرأۃ تطیبت لہذا المسجد حتی ترجع فتغسل غسلها من الجنابۃ۔))

(سنن ابی داود، رقم: ۴۱۷۴)

”اس عورت کی نماز مقبول نہیں جو خوش بو لگا کر مسجد میں آتی ہے جب تک کہ وہ واپس جا کر اس طرح کا غسل نہ کرے جو جنابت کا غسل ہوتا ہے۔“

اس سے اسلامی تعلیمات کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ایک عورت کو مسجد میں جانے کے لیے بھی خوش بو لگا کر جانے کی اجازت نہیں ہے تو دوسری کسی بھی جگہ معطر اور مزین ہو کر جانے کی اجازت کس طرح ہو سکتی ہے؟ اور جو اس طرح جاتی ہے اس کے دل میں اسلامی تعلیمات کا احترام اور ان پر عمل کا جذبہ کتنا ہوگا؟

* نکاح کے بعد عورتوں کے اجتماع اور حصے میں ایک اور رسم کی ادائیگی ضروری ہوتی ہے اور وہ ہے کدو لہے میاں اپنے دوستوں کے ہمراہ اس حصے میں جاتے ہیں اور وہاں دولہا دلہن کو ایک ساتھ بٹھا کر تمام خواتین کے سامنے دودھ پلائی کی رسم ادا کی جاتی ہے اس کے علاوہ دولہا اور دلہن سب کے سامنے ایک دوسرے کے منہ میں مٹھائی ڈالتے ہیں۔ اس موقع پر دونوں خاندانوں کی خواتین کے علاوہ دولہا کے قریبی دوست بھی وہاں موجود ہوتے ہیں۔ ستم ظریفی کی حد یہ ہے کہ دین دار خاندانوں میں بھی اس رسم کو معیوب نہیں سمجھا جاتا اور اسے بلا تکلف ادا کیا جاتا ہے۔ حالانکہ دولہا بھی سوائے پھوپھی، خالہ یا اپنی ماں، بہنوں اور ساس کے تمام عورتوں کے لیے غیر محرم ہے۔ دولہے کے ساتھ اس کے دوست بھی اس موقع پر موجود ہوتے ہیں جو دلہن سمیت تمام خواتین کے لیے غیر محرم ہوتے ہیں۔ لیکن سب کے سامنے بے حیائی کی یہ رسم ادا کی جاتی ہے اور ویڈیو لے یہاں بھی یہ تمام مناظر فلماں کے کام جاری رکھتے ہیں۔

* دلہن کی رخصتی کے وقت بھی عجیب عجیب مناظر دکھائی دیتے ہیں، حتیٰ کہ بعض خاندانوں میں قرآن پکڑ کر اسے دلہن کے سر پر چھتری کی طرح تان کر قرآن کا اس پر سایہ کیا جاتا ہے۔ گویا قدم قدم پر ہر کام میں اللہ کی نافرمانی اور قرآنی تعلیمات کی مٹی پلید کرنے کے باوجود ہم قرآن سے اس جذباتی تعلق کا اظہار کر کے اللہ تعالیٰ سے کہتے ہیں: یا اللہ! دیکھ لے اس سب خود فراموشی اور خدغراغوشی کے بعد بھی یہ طور تبریک تیرے

قرآن کریم ہی کو استعمال کر رہے ہیں۔ یہ قرآن کریم کے ساتھ کتنا بھونڈا مذاق ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

کیا رو و محشر اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں سے نہیں پوچھ گچھ گا کہ کیا قرآن کریم میں نے صرف اسی لیے نازل کیا تھا کہ تم اس کو حیر و پریشم کے ٹانوں میں لپیٹ کر گلہ دستہ طاق نسیاں بنا کر رکھ دینا اور اپنے کاروبار میں، معاملات زندگی میں اور اپنی معاشرتی تقریبات (شادی بیاہ وغیرہ) میں اس کی طرف نظر اٹھا کر کبھی نہ دیکھنا، تاہم اس کو کبھی کبھی تبرک کے طور پر یا مردے بخشنا کے اور کھانے پر فاتحہ پڑھنے کے لیے استعمال کر لیا کرنا کہ تا کہ تم اللہ کو، دنیا کو اور اپنے نفسوں کو یہ دھوکا دیتے رہو کہ تم قرآن کریم کو ماننے والے ہو۔ حج فرمایا اللہ تبارک و تعالیٰ نے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا يَأْكُلُ غُفْرَانًا لَكُمْ
أَنْفُسُكُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۹۰﴾ [البقرة: ۹۰]

”یہ اللہ کو اور اہل ایمان کو دھوکا دیتے ہیں اور ان کو یہ بتاتی نہیں کہ دراصل وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دے رہے ہیں۔“

* شادی کے اختتام پر مرد و حضرات اپنی اپنی خواتین کو لینے کے لیے ہال کے گیٹ پر کھڑے ہو جاتے ہیں اور ماشاء اللہ سب خواتین چونکہ بے پردہ، ہر طرح کے فیشن سے آراستہ نیم عریاں لباسوں میں ملبوس اور الٹے سیدھے میک اپ سے اپنے چہروں کو بے زعم خویش جھلایا بھڑکایا ہوتا ہے تو کیا باہر نکلتے ہوئے یہ عورتیں مردوں کے سامنے سے بلا جھجک نہیں گزرتی ہیں؟ اور کیا مرد رنگ و نور کے اس سیلاب سے، یا حسن و جمال کے اس جلوہ ہائے بے تاب سے یا کھرتے اور دھکتے اس قوس قزح سے محظوظ نہیں ہوتے؟ کیا بے حیائی و بے پردگی کے ان مناظر اور مظاہروں کی اسلام میں کوئی گنجائش ہے؟ اور جن مسلمان کہلانے والے مردوں نے اپنی بیگمات، بیٹیوں اور بہنوں کو اس بے حیائی کا مظہر بننے کی اور ”بے حیا باش و ہرچہ خواہی کن“ کا مصداق بننے کی کھلی چھوٹ دے رکھی ہے، کیا وہ اس کے ذمہ دار نہیں ہیں؟ اگر وہ واقعی مسلمان ہیں تو کیا اس بے غیرتی کا ان کے پاس کوئی جواز ہے؟

کیا انھوں نے کبھی سوچا ہے اسلام کی اس طرح مٹی پلید کرنے پر وہ اللہ کو کیا جواب دیں گے، بارگاہ الہی میں کس طرح سرخ رو ہوں گے؟ کیا اس جواب سے ان کا چھٹکارا ہو جائے گا کہ بیوی یا بیٹی نہیں مانگتی تھی؟ یا ہمارے معاشرے کا رواج ہی یہ تھا کہ شادی بیاہ کے موقع پر شریعت کو بالائے طاق رکھ دیا جاتا تھا؟ یا اگر ہم اپنی خواتین کو سادہ لباس اور باپردہ لے جاتے تو لوگ ہمیں دقیانوسی خیال کرتے اور یہ پھبتی کہتے رہے

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ، انھیں کچھ نہ کہو
کیا اس قسم کے جوابات سے ہماری چھوٹ ہو جائے گی؟
بس چہ باید کرد؟

بہ ہر حال یہ صورت حال نہایت اہم ناک ہے اور اہل دین کے لیے ایک لمحہ فکریہ بھی۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ سب شادیوں میں تو ایسا نہیں ہوتا، بلاشبہ یہ بات صحیح ہے۔ لیکن بات تو چند افراد یا چند شادیوں کی نہیں بلکہ قوم کی حیثیت مجموعی کی ہے۔ رسم و رواج اور بے حیائی کا یہ طوفان اور دینی اقدار اور روایات سے کسمر انحراف کا یہ سیلاب اتنا عام اور تیز ہو گیا ہے کہ بڑے بڑے دین دار گھرانے اور خاندان بھی اس کی لپیٹ میں آ رہے ہیں اور دولت اور وسائل کی فراوانی کی وجہ سے ان کے اندر بھی دین کی پابندی کی بجائے شان و شوکت کے اظہار کا جذبہ بڑھتا جا رہا ہے۔ اس کی وجہ سے بہت سی مذکورہ خیاباں دین داروں کی خواتین میں بھی عام ہوتی جا رہی ہیں، مثلاً:

۱: امیرانہ شان و شوکت کا اظہار۔ ان کی خواتین نے ظاہری طور پر تو پردہ کیا ہوا ہوتا ہے لیکن پردے کے پیچھے وہی برق لباس کی نمائش، زیورات کی نمائش، میک اپ اور آرائش کی نمائش، تفاخر اور برتری کا احساس وغیرہ۔

یہ چیزیں کمتر حیثیت کی خواتین کے اندر احساس محرومی پیدا کرنے کا باعث بنتی ہیں۔ فضول خرچی کے علاوہ معاشرے کے محروم طبقات کے اندر احساس محرومی کے جذبات پیدا کرنا بھی شرعی طور پر ناپسندیدہ ہے۔

۲: پھر مائیں تو پردے کا کچھ اہتمام کر لیتی ہیں لیکن ان کے ساتھ ان کی نوجوان یا قریب بلوغت بیٹیاں ہوتی ہیں، وہ اکثر بے پردہ بھی ہوتی ہیں اور مذکورہ فحشی مظاہر سے آراستہ بھی۔

۳: علاوہ ازیں دین دار خاندانوں کے سارے رشتے دار بھی یا تو دین دار نہیں ہوتے یا دینی اقدار و روایات کے زیادہ پابند نہیں ہوتے۔ نیز ان کے قریبی احباب میں بھی بہت سے دین سے بہت دور ہوتے ہیں۔ ان کی خواتین بھی جب بارات اور ویسے میں شرکت کرتی ہیں تو وہ اسی بے پردگی اور اس کے لوازمات کا مظہر ہوتی ہیں جس کی تفصیل پیش کی گئی ہے۔

۴: بڑی باراتوں اور ان کی ضیافت کے لیے دین داروں کو بھی وسیع پیمانے پر انتظامات کرنے پڑتے ہیں، شادی ہال اور انواع و اقسام کے کھانوں کے اخراجات جو فضول خرچی ہی کے ذیل میں آتے ہیں۔

۵: لڑکی کی شادی ہو یا لڑکے کی، شادی والے گھر ہی میں کئی کئی دن چراغاں ضروری نہیں ہوتا بلکہ قلی، چوراہوں میں بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے اور دین دار ہوں یا غیر دین دار، سب ہی اس کا اہتمام کرتے ہیں حالانکہ خوشی کے موقع پر چراغاں کرنا مسلمانوں کا شیوہ کبھی نہیں رہا۔ یہ آتش پرستوں کی رسم ہے جسے ہندوؤں نے اختیار کیا اور ہندوؤں سے میل جول کی وجہ سے یہ مشرکانہ رسم مسلمانوں میں بھی آگئی۔

یہ چند مفاسد ہیں جو دین دار گھرانوں اور خاندانوں میں بھی عام ہوتے جا رہے ہیں اور ان سے بچنے کا داعیہ اور جذبہ کمزور سے کمزور تر ہوتا جا رہا ہے۔

خت آپریشن اور دینی غیرت اختیار کرنے کی ضرورت:

جب بیماری شدید اور ناسور خطرناک ہو جائے تو بیماری اور ناسور کے خاتمے اور بیمار کی زندگی کو بچانے کے لیے آپریشن ناگزیر ہو جاتا ہے اور یہ ناگوار اقدام مریض سے ہمدردی اور محبت کا تقاضا ہوتا ہے۔

شادی بیاہ کی رسمیں، جن میں بارات بھی ایک مرحلہ ہے، خطرناک ناسور کی صورت اختیار کر گئی ہیں۔ اس مریض قوم اور اس

ناسور بھرے معاشرے کے معاشرے کے معالج اور ہمدرد صرف اور صرف اہل دین ہیں، اس لیے معاشرے کے ان پھوڑوں (ناسوروں) کی نشتر زنی انہی کی ذمہ داری ہے۔ وہ اپنی ذمہ داری کو محسوس کریں۔ لوگوں کی باتوں سے نہ ڈریں، وطن و تشیع کی پروا نہ کریں اور بغیر لومۃ لائیم کے خوف کے اس بیمار قوم کے آپریشن کا آغاز کریں اور اس کے لیے ابتدائی قدم یہ ہے کہ اپنے گھر سے اسے شروع کریں۔ بالخصوص جو اصحاب، حیثیت دینی رکھتے ہیں اور دین دار خاندان کے افراد ہیں، وہ ہمت کریں اور فوری طور پر بارات کا سلسلہ ختم کریں۔ بے شک اللہ نے ان کو سب کچھ دیا ہے، وہ سیکڑوں نہیں، ہزاروں افراد پر مشتمل باراتوں یا ان کی ضیافت کا اہتمام کر سکتے ہیں، لیکن اللہ نے یہ دولت فضول خرچی کے لیے نہیں دی ہے، اس پر تو آپ سے باز پرس کی جاسکتی ہے، اس دولت کو صحیح مصارف پر خرچ کریں جس کی ہمارے معاشرے میں سخت ضرورت ہے۔ اس کی مزید وضاحت ان شاء اللہ ہم جہیز پر گفتگو کے ضمن میں کریں گے۔ پاکستان میں ڈاکٹر اسرار صاحب مرحوم کی ”تنظیم اسلامی“ نے اس کا آغاز کیا ہوا ہے اس تنظیم سے وابستہ افراد کی ایک معقول تعداد نے باراتوں کا سلسلہ متوقف کیا ہوا ہے۔ یہ ایک مستحسن اقدام ہے جسے اختیار کرنے کی شدید ضرورت ہے۔ یہ صرف ایک تنظیم یا اس سے وابستہ افراد کا کام نہیں ہے، یہ دین کا تقاضا ہے جو سارے اہل دین کے مل کر کرنے کا کام ہے۔ صرف ایک تنظیم کے چند افراد کا یہ کردار قابل تعریف ہونے کے باوجود معاشرے میں اس کے اثرات نہ ہونے کے برابر ہیں۔ اس کی حیثیت کسی صحرا میں پکارا یا نقار خانے میں طوطی کی صدا سے زیادہ نہیں ہے۔

ملک میں اہل دین کی ایک بہت بڑی تعداد ہے جو دینی شعور اور اس کی تعلیمات سے بہرہ ور بھی ہے، دینی اقدار و روایات سے وابستگی کا جذبہ بھی اس کے اندر ہے اور بے دینی و بے حیائی کے بڑھتے ہوئے سیلاب سے پریشان اور اس کا رخ موڑنے کی خواہاں بھی ہے لیکن بے عملی، ایمانی و دینی غیرت و حمیت کے فقدان اور ہوا کے رخ پر ہی بغیر کسی مزاحمت کے،

چلتے جانے کی روش نے اتنی بڑی تعداد کو بے حیثیت بنایا ہوا ہے۔

بنائیں ضرورت عملی اقدامات کی ہے، ایمانی غیرت و حیت کے مظاہرے کی ہے، ایک مضبوط تحریک برپا کرنے کی ہے اور تمام دینی جماعتوں سے وابستہ دین دار افراد کے یہ عہدہ کرنے کی ہے کہ وہ باراتوں میں شریک نہیں ہوں گے اور خود بھی بارات کے بغیر شادی کریں گے تاکہ مذکورہ خرافات سے خود بھی بچیں اور دوسروں کو بھی بچائیں اور قوم کے سامنے دین کا ایک عملی، سچا نمونہ پیش کریں۔

اٹھو وگرنہ حشر نہ ہوگا پھر کبھی
دوڑو زمانہ چال قیامت کی چل گیا

لڑکی والوں کے گھر کھانا جائز ہے یا نہیں؟

بعض لوگ کہتے ہیں یا سمجھتے ہیں کہ لڑکے والوں کے ساتھ آنے ہوئے افراد کے لیے لڑکی والوں کے گھر کھانا کھانا جائز ہے، اسی طرح لڑکی والوں کے لیے بھی جائز نہیں کہ وہ لڑکے والوں کے ساتھ آنے والوں کی مہمان نوازی کریں۔ ایسا سمجھنا صحیح نہیں، یہ وہ غلو ہے جو ناپسندیدہ ہے۔ نکاح کی غرض سے لڑکی والوں کے گھر آنے ہوئے حضرات، مہمان ہیں اور اکرام ضعیف یعنی مہمانوں کی عزت و کرم اور حسب طاقت و ضرورت ان کی خاطر تواضع کا اہتمام نہایت ضروری اور ایمان کا تقاضا ہے۔ البتہ اپنی طاقت سے بڑھ کر محض دکھلاوے کے لیے فضول خرچی کی حد تک اہتمام ناجائز ہے۔ جیسے مثال کے طور پر نکاح کے لیے افراد کی دوسرے شہر سے آنے ہوں اور پھر انھیں واپس بھی اسی شہر میں جانا ہے تو ظاہر بات ہے کئی گھنٹوں کے سفر کے بعد تقریب نکاح کے بعد خالی بیٹ رہنا اور پھر اسی طرح بغیر کچھ کھائے پینے دوبارہ عازم سفر ہو جانا ناممکن ہے۔ ایسا نہ ہو سکتا ہے اور نہ کیا ہی جاسکتا ہے۔ اس لیے مہمانوں کی ضیافت ناگزیر ہے اور اس قسم کی صورتوں میں لڑکی والوں کی طرف سے کھانے پینے کا انتظام کرنا اور مہمانوں کا لڑکی والوں کے گھر کھانا دونوں باتیں جائز ہیں، شرعاً ان میں کوئی قباحیت نہیں ہے۔

اصل بات جو یہ ہے کہ بھاری بھر کم بارات کا یہ تصور لڑکی

والوں کے لیے خواہ مخواہ کا وہ ناروا بوجھ ہے جس کا شریعت سے کوئی تعلق نہیں ہے، یہ معاشرے کا وہ ناجائز رواج ہے جو لڑکی والوں کے لیے ایسا تصور ہے جس نے زمانہ جاہلیت کی طرح لڑکی کی پیدائش کو غم و اندوہ اور ماتم و شین و دلی چیز بنا دیا ہے جس کو اسلام نے آخر مٹایا تھا اور لڑکی کی پیدائش کو بھی اللہ کی نعمت قرار دیا تھا۔ بارات کے ناروا بوجھ اور دیگر رسم و رواج کے اغلال و سلاسل نے ایک اسلامی معاشرے کو دوبارہ قبل از اسلام کے جاہلی معاشرے میں تبدیل کر دیا ہے۔ اور قرآن کریم نے اسلام کی نعمت سے محروم جاہلی معاشرے کی جو یہ کیفیت بیان کی ہے:

﴿وَإِذَا بُشِّرَ أَحَدُهُم بِالْأُنْثَىٰ ظَلَّ وَجْهُهُ مُسْوَدًّا وَهُوَ كَظِيمٌ﴾ [النحل: ۵۸]

”جب ان میں سے کوئی کو بیٹی کی پیدائش کی خبر دی جاتی ہے تو اس کا چہرہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم و غصے سے بھرا ہوتا ہے۔“ یہی کیفیت ہمارے پاک و ہند کے مسلمان معاشروں کی ہو گئی ہے۔ اور اس کی وجہ صرف وہی رسوم و رواج ہیں جو شادیوں کا جزو لاینفک بن گئے ہیں، جن میں بارات، جہیز، بری اور زیورات وغیرہ کی وہ غیر ضروری رسمیں ہیں جن کی بیڑیاں خود ہم نے اپنے پیروں میں ڈالی ہوئی ہیں اور جن کو اتار پھینکنے کے لیے کوئی تیار نہیں۔ نیز اس میں دونوں خاندان برابر کے ملوث ہیں لڑکے والے بھی اور لڑکی والے بھی اور اس سے بھی بڑا المیہ یہ کہ اس سے نہ کوئی دین دار خاندان مستثنیٰ ہے اور نہ غیر دین دار خاندان۔ گویا۔

ہم ہوئے، تم ہوئے کہ میر ہوئے
ایک ہی زلفت کے سب اسیر ہوئے

مسلمان معاشروں سے اس جاہلی کیفیت کا خاتمہ اس وقت تک ممکن نہیں جب تک شادی بیاہوں کے ان تلکقات کی بیڑیوں کو کاٹ کر نہیں پھینک دیا جائے گا جن میں ایک بھاری بھر کم بارات کا رد فر کے ساتھ آنا اور پھر شانہ انداز میں اس کی ضیافت کرنا ہے۔

(باقی آئندہ)

بارات اور جہیز کا تصور؛ مفاسد اور حل

(مولانا) حافظ صلاح الدین یوسف

مروجہ جہیز کی شرعی حیثیت؟

شادی کی رسومات میں ایک رسم جہیز بھی ہے۔ یہ رسم البتہ ایسی ہے کہ اس کی اصل حیثیت میں اختلاف ہے کہ یہ واقعی دیگر غیر ضروری رسومات کی طرح ایک رسم محض ہے یا کسی لحاظ سے اس کا شرعی جواز بھی ہے؟

ہمارے نزدیک اس رسم کے دو پہلو یا دورخ یا دو صورتیں ہیں۔ ایک صورت میں جائز ہے اور دوسری صورتوں میں ناجائز۔ اس کو سمجھنے کے لیے ان صورتوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے جن کے پیش نظر جہیز کا اہتمام کیا جاتا ہے، یہ حسب ذیل ہیں:

- ۱: شان و شوکت یا امارت کا اظہار۔
- ۲: نمود و نمائش، شہرت اور تفاخر کا اظہار۔
- ۳: اسراف و تبذیر کی حد تک اس کا اہتمام۔
- ۴: وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ۔
- ۵: محض ایک دوسرے کی دیکھا دیکھی رسم کے طور پر۔
- ۶: عدم احتیاط کے باوجود قرض لے کر اس کا اہتمام کرنا۔
- ۷: تعاون، ہمدیہ اور صلہ رحمی کے طور پر۔

اول الذکر ساری چھ صورتوں میں یہ ایک محض رسم ہے اس لیے ناجائز ہے۔ اور اس ناجائز صورت میں اکثر و بیشتر مذکورہ ساری ہی خرابیاں پائی جاتی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ جہیز کی رسم تمام مذکورہ خرابیوں کا مجموعہ ہے، اسے کس طرح جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟ اس میں:

شان و شوکت کا اظہار بھی ہوتا ہے، نمود و نمائش کا جذبہ بھی۔

اسراف و تبذیر کی حد تک اس کا اہتمام کیا جاتا ہے، اس لیے ہر چیز دینے کی کوشش کی جاتی ہے چاہے اس کی ضرورت ہو یا نہ ہو اور لڑکے والوں کے پاس اتنا غیر ضروری سامان رکھنے کی جگہ بھی ہو یا نہ ہو۔

جس کے پاس استطاعت نہیں ہوتی وہ قرض لے کر، حتیٰ کہ قرض حسن نہ ملے تو سود پر قرض لے کر یہ رسم پوری کرتا ہے۔

بھرپور جہیز دینے میں وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ بھی کارفرما ہوتا ہے۔ بالخصوص اصحاب حیثیت اس نیت سے لاکھوں روپے جہیز کی نذر کر دیتے ہیں اور پھر واقعی ان کے بیٹے اپنے صاحبِ جانیداد باپ کی وفات کے بعد اپنی بہنوں کو وراثت سے ان کا شرعی حق نہیں دیتے اور یہی کہتے اور سمجھتے ہیں کہ باپ نے جہیز کی صورت میں اپنی بیٹیوں کو جو دینا تھا دے دیا، اب یہ ساری جائیداد صرف بیٹیوں کی ہے۔ اس طرح یہ رسم ہندوؤں کی نقل ہے۔ ہندو مذہب میں وراثت میں لڑکیوں کا حصہ نہیں ہے اس لیے وہ شادی کے موقع پر لڑکی کو ”دان“ دے دیتے ہیں۔ یہی دان کا تصور (وراثت سے محرومی کا بدل) مسلمانوں میں جہیز کے نام سے اختیار کر لیا گیا ہے۔ اس اعتبار سے یہ خالص ہندووانہ رسم ہے۔

اگر جہیز میں مذکورہ تصورات کارفرما ہوں تو جہیز کی یہ رسم سراسر ناجائز ہے، اسلام سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے اس کے خلاف بھی جہاد ضروری ہے کیوں کہ جہیز دینے والے بالعموم ایسے ہی تصورات کے تحت جہیز دیتے ہیں اور اس رسم کو بھی پورا کرنا ناگزیر سمجھتے ہیں۔

جہیز کی جائز صورت:

البتہ جہیز کی ایک جائز صورت بھی ہے جس کا ذکر ساتویں شکل میں کیا گیا ہے وہ ہے تعاون، صلہ رحمی اور ہدیے (تحفے، عطیے) کے طور پر اپنی لڑکی کو شادی کے موقع پر کچھ دینا۔

اسلام میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرنے کی بڑی فضیلت ہے، اس طرح ایک دوسرے کو ہدیہ، تحفہ دینے کی بھی ترغیب ہے۔ اور اگر تعاون یا ہدیے کا معاملہ اپنے قریبی رشتے داروں کے ساتھ کیا جائے تو اس کو صلہ رحمی کہا جاتا ہے اور اس کی بھی بڑی تاکید ہے اور اس کو دہرائے جاتا ہے۔ اس اعتبار سے اپنی بیٹی کو، اگر وہ واقعی ضرورت مند ہے، بہ طور تحفہ کچھ دینا بالکل جائز بلکہ مستحسن اور پسندیدہ ہے۔ لیکن اس کے لیے ضروری ہے کہ

- ⊗ والدین اپنی طاقت کے مطابق اس کی ضروریات پوری کریں۔
- ⊗ اس کے لیے قرض لے کر زیر بار نہ ہوں۔
- ⊗ نمائش اور رسم کے طور پر ایسا نہ کریں۔
- ⊗ ضروریات زندگی کی فراہمی کے لیے شادی کے موقع پر ضروریات کا جائزہ لیے بغیر تعاون کرنا جائز نہیں ہوگا۔ بلکہ شادی کے بعد دیکھا جائے کہ اس گھر میں کن چیزوں کی ضرورت ہے اور لڑکے والے ان کو مہیا کرنے سے واقعی قاصر ہیں تو ان کو وہ اشیاء مہیا کرنے میں حسب استطاعت ان سے تعاون کیا جائے۔ لیکن حسب ذیل شرائط کے ساتھ:

* اس تعاون کو وراثت کا بدل سمجھ کر اسے وراثت سے محروم کرنے کا جذبہ نہ ہو۔

* یہ یک وقت تعاون کی استطاعت نہ ہو تو مختلف اوقات میں تعاون کر دیا جائے۔

* اگر بیٹی کو گھریلو اشیاء ضرورت کی ضرورت نہ ہو اور والدین صاحب استطاعت ہوں اور وہ بیٹی کو تحفہ دینا چاہتے ہوں تو واداد کی مالی پوزیشن کے مطابق اس کو ایسا تحفہ دیں جس سے اس کا

مستقبل بہتر ہو سکے، مثلاً اس کے پاس سرمائے کی کمی ہے جس کی وجہ سے وہ کاروباری مشکلات کا شکار ہے، اس کو نقد رقم کی صورت میں ہدیہ دے دیا جائے تاکہ وہ اپنا کاروبار بہتر کر سکے، یا اس کو پلاٹ لے دیا جائے تاکہ وہ آہستہ آہستہ اپنا مکان بنا سکے، اگر اس کے پاس مکان نہیں ہے یا وہ مشترکہ خاندان میں رہائش پذیر ہے اور وہاں جگہ کی تنگی ہے ان دونوں صورتوں میں یہ پلاٹ یا گھر کی تعمیر یا کاروبار میں مالی تعاون میاں بیوی (بیٹی لہد واداد) کے لیے ایسا بہترین تحفہ ہے جو صرف انھی کے نہیں بلکہ آئندہ نسل کے بھی کام آئے گا۔ نیز تعاون کی ایسی صورت ہے جس میں رسم، نمود و نمائش اور بلا ضرورت زیر بار ہونے کا شائبہ کارفرما کی نہیں بلکہ خیر خواہی اور تعاون کا صحیح جذبہ ہے جو عند اللہ نہایت پسندیدہ ہے۔

یہ جہیز نہیں بلکہ صلہ رحمی، تعاون اور خیر خواہی ہے:

یہاں یہ بات بھی سمجھ لینی چاہیے کہ اس صورت کو جہیز نہیں کہنا چاہیے بلکہ یہ تعاون اور صلہ رحمی یا ہدیہ ہے۔ جہیز کا کوئی تصور اسلام میں نہیں ہے۔ احادیث میں اس مروجہ جہیز کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی متعدد ازواج مطہرات میں سے کوئی بھی اپنے ساتھ جہیز لے کر نہیں آئی، اسی طرح رسول اللہ ﷺ نے اپنی چار بیٹیوں میں سے کسی ایک بیٹی کو بھی (قبل از نبوت اور بعد از نبوت) جہیز نہیں دیا۔ صرف حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی بابت مشہور ہے کہ آپ ﷺ نے ان کو تین چار چیزیں بہ طور جہیز دی تھیں۔ لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، اس کا کوئی تعلق مروجہ رسم جہیز سے نہیں ہے، اس کی وضاحت اگلی سطور میں ملاحظہ فرمائیں۔

عربی زبان میں جہیز (جہیز بنانے) کا مفہوم:

جہیز عربی زبان کا لفظ ہے جس کا مادہ جہا (سامان) ہے۔ قرآن مجید میں بھی یہ لفظ استعمال ہوا ہے۔

﴿وَلَمَّا جَهَّزَهُم بِجَهَّازِهِمْ﴾ [یوسف: ۵۹]

”جب (یوسف علیہ السلام) کے کارندوں نے (برادران یوسف کا

(واپسی کا) سامان (سفر) تیار کر دیا۔“

جہیز (باب تفصیل) کے معنی ہوں گے: اس نے سامان تیار کیا۔ ہر موقع کے لیے الگ الگ سامان ہوتا ہے، اس کے حساب سے اس کے ساتھ یہ لفظ لگ کر اپنا مفہوم ادا کرتا ہے۔ جیسے، جہاز العروس (دہن کو تیار کرنا)، جہاز البیت (میت کا سامان تیار کرنا)، جہاز السفر (سفر کا سامان تیار کرنا)، جہاز الغازی (غازی کو سامان اسلحہ وغیرہ دینا)

احادیث میں یہ لفظ دو موقعوں کے لیے استعمال ہوا ہے: ایک غازی کے لیے اس کو میدان کارزار میں کام آنے والی اشیاء (خود، زرہ، اسلحہ وغیرہ) مہیا کر کے تیار کرنا۔ دوسرا دہن کو شب زفاف کے لیے تیار کر کے یعنی اس کو عمدہ لباس وغیرہ سے آراستہ کر کے دہلیا کے یاس بھیجنا۔ چنانچہ احادیث میں تین خواتین کا ذکر اس ضمن میں ملا ہے: ایک حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا، دوسرا حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کا اور تیسرا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا۔

۱: جنگ خیبر میں واپسی پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزار کر کے ان سے نکاح کر لیا تھا، اس حدیث میں آتا ہے:

”جہیز تھا لہ ام سلیم فاهدتها لہ من اللیل۔“

(صحیح بخاری، رقم: ۲۷۱)

”حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا نے حضرت صفیہ کو تیار کیا اور ان کو شب

باشی کے لیے نبی ﷺ کی خدمت میں پیش کر دیا۔“

۲: نجاشی (شاہ حبشہ) کی طرف سے ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کو (ان کا نکاح بذرعیہ وکالت نبی ﷺ کے ساتھ کر کے) نبی ﷺ کی خدمت میں ایک صحابی حضرت شرییل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ روانہ کیا گیا تھا۔ اس حدیث میں آتا ہے:

”ثم جہزها من عنده وبعث بها الى رسول

اللہ ﷺ وجہازها کل من عند النجاشی۔“

(مسند احمد: ۶/۴۲۷)

”پھر نجاشی نے حضرت ام حبیبہ کو اپنے پاس سے تیار کیا اور

ان کو رسول اللہ ﷺ کی طرف بھیج دیا۔ اور ان کی ساری تیاری نجاشی کی طرف سے تھی۔“

ان دونوں احادیث میں جہیز، دہن کو عروسی لباس اور آرائش و زیبائش سے آراستہ کرنے کے معنی میں ہے۔ اثاث البیت (گھریلو سامان) دینے کے معنی میں نہیں ہے جس کو آج کل جہیز کا نام دے دیا گیا ہے حالانکہ ان احادیث میں جہیز کا لفظ ان معنوں میں ہرگز استعمال نہیں ہوا ہے۔ مسند احمد میں مزید ”جہاز“ کا لفظ استعمال ہوا ہے، اس کا مطلب یہاں حق مہر کی ادائیگی ہے جو کہ سامان آرائش و زیبائش کے علاوہ مکمل طور پر نجاشی ہی کی طرف سے ادا کیا گیا تھا، اس لیے ”جہازها کل من عند النجاشی“ کہا گیا ہے۔

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز؟

۳: رہا تیسرا واقعہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو جہیز دینے کا، جس سے جہیز کے جواز پر استدلال کیا جاتا ہے، اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس واقعے پر غور و خوض کرنے اور اس سے متعلق روایات کے مختلف طرق کا جائزہ لینے سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ اس کا تعلق بھی اثاث البیت (گھریلو سامان ضرورت) سے نہیں ہے بلکہ یہ بھی دراصل دہن کو پہلی مرتبہ دہلیا کے پاس بھیجنے ہی کی تیاری تھی اور اس موقع پر رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ کو جو چیزیں دی تھیں، ان کا تعلق رات کو سونے کے لیے کام آنے والی چیزوں سے تھا، جیسے چادر، بکی، پانی کی مشک۔ جیسے سنن نسائی میں ہے:

”جہز رسول اللہ ﷺ فاطمہ فی خمیل

وقربة و وسادة حشوھا اذ خر۔“

(سنن نسائی، رقم: ۳۳۸۲)

”رسول اللہ ﷺ نے (پہلے پہل حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس

بھیجنے کے لیے) حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو تیار کیا ایک چادر،

مشک اور بکی کے ساتھ جس میں ازخار گھاس بھری ہوئی تھی۔“

اس روایت میں جہیز اور جہاز کے معنی وہی ہیں جو اس سے

پہلے حضرت صفیہ اور حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہما والی دونوں حدیثوں میں اسی لفظ کے گزرے ہیں یعنی دلہن کو شب زفاف کے لیے تیار کر کے دولہا کے پاس بھیجنا۔ چنانچہ حضرت صفیہ سے متعلق روایت میں آتا ہے:

”جہز تھا ام سلیم فاهدتها الیہ من اللیل۔“
 ”ان کو حضرت ام سلیم نے تیار کر کے (دلہن بنا کر) شب باشی کے لیے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا۔“

امام نسائی یہ روایت ”باب البناء فی السر“ میں لائے ہیں۔ ”بناء“ کا لفظ شب زفاف ہی کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ امام نسائی کی اس تبویب اور اس کے تحت جہز تھا والی روایت درج کرنے سے واضح ہو جاتا ہے کہ جہز کے معنی دلہن سازی کے ہیں نہ کہ سامان جہیز کے۔

ہماری بیان کردہ وضاحت کی ایک اور دلیل یہ بھی ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے متعلق روایت سنن ابن ماجہ میں اس طرح بیان ہوئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت علی و فاطمہ رضی اللہ عنہما کے پاس تشریف لے گئے اور وہ دونوں ایک چادر (خمیل) میں تھے:

”قد کان رسول اللہ ﷺ جہز ہما بہا، و وسادۃ محشوة اذ خروا و قربۃ۔“

”اس چادر کے ساتھ ہی رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو تیار کیا تھا اور ایک نکیہ اذخر گھاس کا بھر ہوا اور ایک مشک بھی عنایت کی تھی۔“

امام ابن ماجہ نے اس روایت کو ”باب ضجاع آل محمد ﷺ“ کے تحت بیان کیا ہے۔ یعنی آل محمد (محمد ﷺ کے گھرانے) کا بستر۔

امام ابن ماجہ کی اس تبویب سے بھی واضح ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے متعلق روایت میں جہیز کے معنی شب باشی کے سامان یا شب باشی کے لیے تیار کرنا ہیں نہ کہ مروجہ سامان جہیز۔ احادیث میں ان تین واقعات کے علاوہ (سوائے حدیث جہاد (من جہز غاز یا..... الخ))

کے) جہیز کا لفظ استعمال نہیں ہوا، بالخصوص شادی بیاہ کے مسائل میں۔ اور ان تینوں واقعات میں جس سیاق میں یہ لفظ آیا ہے، اس کا وہی مفہوم ہے جو ہم نے بیان کیا ہے۔ اس سے مروجہ جہیز مراد لینا یکسر خلاف واقعہ ہے۔ بنا بریں پورے یقین اور قطعیت کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ مروجہ جہیز کا کوئی تعلق اسلام سے نہیں ہے۔

ستم ظریفی کی انتہا:

اور یہ تو ستم ظریفی کی انتہا ہے کہ لڑکی والوں سے اپنی پسند اور خواہش کے مطابق جہیز کا مطالبہ کیا جائے حالانکہ لڑکی کے ماں باپ کا یہ احسان کیا کم ہے کہ وہ بچی کو ناز و نعمت میں پال کر اور اسے تعلیم و تربیت سے آراستہ کر کے اللہ کے حکم کی وجہ سے اپنے دل کے ٹکڑے کو دوسروں کے سپرد کر دیتے ہیں۔ اس احسان مندی کے بجائے ان سے مطالبات کے ذریعے سے احسان فراموشی کا اظہار کیا جاتا ہے جب کہ اللہ کا حکم احسان کے بدلے احسان کرنے کا ہے:

﴿هَلْ جَزَاءُ الْإِحْسَانِ إِلَّا الْإِحْسَانُ﴾ (الرحمن: ۶۰)

نہ کہ محسن کے لیے عرصہ حیات تنگ کرنے کا۔ یا بھاری بھر کم جہیز نہ لانے پر لڑکی کا جینا دو بھر کر دیتے کا حتیٰ کہ اس کو خود کشی پر مجبور کر دینا۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے مرد کو قوام (عورت کا محافظ، نگران اور بالادست) بنایا ہے:

﴿الرِّجَالُ قَوَّامُونَ عَلَى النِّسَاءِ﴾ (النساء: ۳۴)

اور اس کی ایک وجہ یہ بیان فرمائی ہے کہ وہ عورت کی مالی ضروریات پوری کرتا ہے، مرد اپنے اس مقام و مرتبہ کو فراموش کر کے عورت سے لینے کا مطالبہ کرتا ہے جو اللہ تعالیٰ کے بتلائے ہوئے سبب فضیلت ﴿وَبَسَّ أَتَفْقَهُوا مِنْ أَمْوَالِهِمْ﴾ معاشی و مالی کفالت کی ذمہ داری کے بھی خلاف ہے اور اس کے شیوہ مردانگی کے بھی منافی۔ بہر حال جس حیثیت سے بھی اس رسم کو دیکھا جائے، اس کی شناخت و قباحت واضح ہو جاتی ہے۔

ذوالفقار علی ملک کا انتقال

ملک حسن علی جامی شری پوری دہلی کے صاحب زادے ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک (سابق وائس چانسلر اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور و پنجاب یونیورسٹی لاہور) ۹ اگست ۲۰۱۴ء کی رات قضائے الہی سے وفات پا گئے۔ انا اللہ وانا الیہ راجعون۔

مرحوم ایک پڑھے لکھے خاندان کی سرکار شخصیت تھے۔ ملکی و تعلیمی سطح پر ان کی ایک اچھی پہچان رہی ہے۔ مرحوم پنجاب کے اعلیٰ تعلیمی اداروں کے وائس چانسلر رہے اور ان سے بڑے لوگوں نے استفادہ بھی کیا۔ مرحوم کے والد گرامی ایک دانش ور اور مضمون نگار تھے۔ الاعتصام میں ان کے مضامین شائع ہوتے رہے۔ قارئین سے درخواست ہے کہ ان کی مغفرت کے لیے خصوصی دعا فرمائیں۔ (ادارہ)



شادی بیاہ کی فضولیات اور رسومات پر ایک اخباری فیچر:

بارات اور جہیز کے علاوہ شادی سے متعلق رسوم و رواج اور دیگر جن جن فضولیات کا اہتمام ہوتا ہے، ان کی تفصیل کافی لمبی بھی ہے اور نہایت ہوش ربا بھی۔ چند سال قبل روزنامہ ”جنگ“ کے ایک فیچر نگار نے ان کی تفصیلات پر مبنی ایک مفصل فیچر لکھا تھا جو اخبار مذکور کے سنڈے میگزین (۲۰۰۳ء) میں شائع ہوا تھا۔ جو بول ایک شاعر کے۔

خوش تر آں باشد کہ سز دلبر ال
گفتہ آید در حدیث دیگر ال
کا مصداق ہے۔

یہ فیچر اتم کی کتاب ”مسنون نکاح“ مطبوعہ دار السلام میں درج ہے۔ قارئین اس کتاب میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

(باقی آئندہ)

دینی مدارس کے طلباء کے لئے

ایک عظیم خوشخبری

اللہ تعالیٰ کی توفیق کے ساتھ!

اس سال مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث محلہ سلطان والا جھنگ صدر میں فضیلۃ الشیخ عبد الرحمن ضیاء رحمہ اللہ بخاری شریف کی تدریس کے ساتھ ساتھ آٹھویں صدی کی مشہور شخصیت شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ کے مشہور ترین شاگرد رشید امام علامہ حافظ شمس الدین ابو عبد اللہ محمد بن ابوبکر المعروف بہ ابن القیم رحمہ کی مشہور و معروف کتاب القصیدۃ النونیہ بھی پڑھا رہے ہیں۔ جو طلباء صحیح بخاری اور القصیدۃ النونیہ پڑھنے کے متمنی ہوں وہ جلد از جلد رابطہ کریں۔ در اسہ شروع ہو چکا ہے۔ موقع کو غنیمت سمجھیں۔

منجانب: انتظامیہ مدرسہ تعلیم القرآن والحدیث متصل جامع مسجد قدس اہل حدیث محلہ سلطان والا جھنگ صدر

رابطہ نمبر: 03214695985, 03326276401

بارات اور جہیز کا تصور؛ مفاسد اور حل

(مولانا) حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

معاملات میں کیا کوئی مرد ایسی بے بسی کا مظاہرہ کرتا ہے؟ اگر ہنڈیا میں نمک مرچ کم یا زیادہ ہو جائے تو دونوں صورتوں میں عورت کی شامت آجاتی ہے۔ اس وقت تو عورت کی بے بسی کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ مرد کی ناراضی پر چوں بھی نہیں کرتی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہیں ہی ایسا سہم ہے کہ ہماری غوربتیں اور بچے اس کے ساتھ جو چاہیں، سلوک کر لیں، مردوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رہتی۔

مذکورہ حدیث کی روشنی میں ہر مرد سوچ لے کر منکرات سے یہ سمجھوتہ اس کو ایمان کی کس پستی میں ڈھیل رہا ہے۔ اعاذنا اللہ منہ۔

۲: حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ألا كلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ،

فالا میر الذی علی الناس راع وهو مسئول

عن رعیتہ، والرجل راع علی اهل بیتہ وهو

مسئول عنهم، والمرأة راعیة علی بیت

بعلمها وولده، وهي مسئولة عنهم، والعد

راع علی مال سیدہ وهو مسئول عنه، ألا-

فکلکم راع وکلکم مسئول عن رعیتہ.))

(صحیح مسلم، رقم: ۱۸۲۹)

”خبردار! تم سب کے سب نگران اور ذمہ دار ہو اور تم سب

سے اپنی اپنی رعیت (آتخوں) کے بارے میں باز پرس

ہوگی۔ حاکم وقت لوگوں پر حکمران، ذمہ دار اور نگران ہے اور

اس سے اس کی رعیت (ملک کے عوام) کی بابت باز پرس

ہوگی۔ مرد اپنے گھر والوں پر نگران ہے اور اس سے ان کی

بابت پوچھا جائے گا، عورت اپنے خاوند کے گھر اور اس کے

شادی یا ہوں میں اختیار کیے جانے والے طور اطوار احادیث رسول ﷺ کی روشنی میں:

مذکورہ رسومات کے ارتکاب، ان میں شرکت اور ان سے تعاون میں بڑے بڑے دین دار حضرات بھی کوئی تامل نہیں کرتے، ایسے مدہانت پسند حضرات کے لیے چند احادیث مختصر مختصر تبصرے کے ساتھ پیش ہیں تاکہ ان کی روشنی میں اپنے طرز عمل کا جائزہ لیا جاسکے۔

۱: رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من رأى منکم فلیغیرہ بیدہ،

فان لم یستطع فیلسانہ، فان لم یستطع

فقلبه وذلك اضعف الایمان.))

(صحیح مسلم، رقم: ۴۹)

”تم میں سے جو کسی برائی کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اس کو

اپنے ہاتھ سے روک دے، یا اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان

سے اس کی برائی کا اظہار کرے، اگر اس کی بھی طاقت نہ ہو تو

دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔“

وضاحت:

مرد کو اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر قوام (حاکم، نگران، سربراہ) بنایا

ہے، اس لیے ہر مرد فطری طور پر اپنے گھر کا سربراہ ہے۔ سربراہ کی ذمہ

داری ہے کہ وہ گھر کے سارے افراد کو راہ راست پر رکھے اور اس سے

ان کو منحرف نہ ہونے دے۔ اس خدا داد مقام پر فائز مرد کے یہ شایان

شان نہیں کہ وہ یہ کہے کہ شادی کی رسومات میں بیوی میری بات نہیں

مانتی، بچے نہیں مانتے۔ یہ اس کے شیوہ مردانگی کے بھی خلاف ہے اور

یہ عذر بارگاہِ الہی میں ناقابلِ شنوائی بھی۔ علاوہ ازیں دنیاوی

بچوں کی نگران ہے اور اس سے ان کی بابت باز پرس ہوگی۔
غلام اپنے آقا کے مال کا نگران ہے اور اس سے اس کی بابت
پوچھا جائے گا۔ اچھی طرح سن لو! تم سب کے سب نگران
اور ذمہ دار ہو اور تم سب سے اپنے اپنے ماتحتوں (رعیت)
کے بارے میں پوچھا جائے گا۔“

وضاحت:

عربی زبان میں راعی کا مطلب ہے: نگران اور ذمہ دار۔ کس
چیز کا؟ جو اس کے ماتحت ہے، وہ ان کی اصلاح کرنے کا، ان کے
ساتھ عدل و انصاف کا برتاؤ کرنے کا اور ان کے دین و دنیا کی
مصلحتوں کا خیال رکھنے کا ذمہ دار ہے۔

مسئول کا مطلب ہے: اس سے قیامت کے دن پوچھا جائے
گا، باز پرس ہوگی۔ کس بات کی؟ اس بات کی کہ اس نے اپنے ماتحتوں
کے حقوق کی رعایت کی، ان کی دینی و دنیاوی مصلحتوں کا خیال رکھا اور
ان کی تعلیم و تربیت کا صحیح اہتمام کیا۔

اس حدیث کی روشنی میں جائزہ لیا جائے کہ معاشرے میں پھیلی
ہوئی برائیوں اور شادی بیاہ میں ہونے والی خلاف شرع رسومات
و خرافات سے اپنے اپنے ماتحتوں کو بچانے میں کوئی کردار ادا کیا ہے؟
کیا ہے تو وہ کیا ہے؟ ہر گھر کا سربراہ مرد بھی اور عورت بھی اللہ کی بارگاہ
میں جانے سے پہلے آخرت کی باز پرس کو سامنے رکھے۔

۳: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ
نے فرمایا:

((ابغض الناس الى الله ثلاثة: ملحد في
الحرم، ومبتغ في الاسلام سنة الجاهلية،
ومطلب دم امرئ بغير حق ليهرق دمه.))

(صحیح بخاری، رقم: ۶۸۸۲)

”لوگوں میں سب سے زیادہ ناپسندیدہ اللہ کے ہاں تین
شخص ہیں: ۱: حرم میں بے دینی پھیلانے والا ۲: اسلام

میں جاہلیت کے طریقے تلاش (اختیار) کرنے والا۔
۳: ناحق کسی شخص کے خون کا خواہاں، تاکہ وہ اس کا
خون بہائے۔“

وضاحت:

ہماری شادی بیاہوں کی بیشتر رسومات ہندوؤں کی نقالی پر مبنی ہیں یا
مغرب کی حیا باختمہ تہذیب اور زمانہ جاہلیت کی خرافات پر۔ گویا قدیم
وجہ جاہلیت کا مجموعہ اور اسلامی تعلیمات سے یکسر بے اعتنائی کا نمونہ۔
اس انداز سے شادیاں کرنا یا ان میں ذوق و شوق سے شریک ہو کر۔
ان کی حوصلہ افزائی کرنا، یہ اسلام میں جاہلی طریقوں ہی کو فروغ دینا
ہے۔ ایسے لوگوں کا اللہ کے ہاں کیا مقام ہے وہ اس حدیث کی دوسری
شق سے واضح ہے۔ دنیا میں تو انسان کا ہوئی وہوں میں مبتلا نفس اور
شیطان اس کا چاہنیں چلنے دیتا لیکن آخرت میں تو ان کی کارفرمائی ختم
ہو چکی ہوگی اور اللہ کے ہاں اس کا وہ مقام واضح ہو کر سامنے آجائے گا
جس کا ہیولہ اس نے اپنے عمل و کردار سے تیار کیا ہو گیا اور وہ ہے اللہ
کے ہاں ناپسندیدہ ترین شخص۔ اور اس روز ناپسندیدہ ترین شخص کا جو
مقام ہوگا، اس کا اندازہ رسومات جاہلیہ کے دل دادہ ہر مرد و عورت کو
کر لینا چاہیے۔

۴: حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من سن في الاسلام سنة حسنة فله اجرها
واجر من عمل بها بعده من غير ان ينقص من
اجورهم شيئا، ومن سن في الاسلام سنة
سيئة كان عليه وزر من عمل بها من
بعده من غير ان ينقص من اوزارهم شيء.))

(صحیح مسلم، رقم: ۱۰۱۷)

”جس نے اسلام میں کوئی اچھا طریقہ ایجاد کیا تو اس کو خود
اس پر عمل کرنے کا اجر بھی ملے گا اور ان کا بھی اجر ملے گا جو
اس کے بعد اس پر عمل کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے۔

اجروں میں کچھ کی ہو۔ اور جس نے اسلام میں کوئی برائے طریقہ ایجاد کیا تو اس پر (اس کے اپنے عمل کا بھی) بوجھ ہوگا اور ان سب کے گناہوں کا بھی بوجھ ہوگا جو اس کے بعد اس برائی پر عمل کریں گے، بغیر اس کے کہ ان کے بوجھوں میں کوئی کمی ہو۔“

وضاحت:

اس حدیث میں ”اچھا طریقہ“ نکالنے یا جاری کرنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اپنی طرف سے دین میں کوئی نئی چیز ایجاد کرے کیوں کہ یہ تو بدعت ہوگی جس کی بابت رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ ہر بدعت گمراہی ہے اور جہنم میں لے جانے والی ہے۔ بدعت سازی دراصل شریعت سازی ہے، جس کی اجازت کسی کو نہیں ہے۔ اچھے طریقے سے مراد کسی ایسے عمل میں پہل کرنا ہے جو شریعت سے ثابت ہے یا کسی ایسی جگہ پر اس عمل شریعت کو سرانجام دینا ہے، جہاں پہلے لوگوں کو اس کا علم نہیں تھا یا خاندانی رسم و رواج کی وجہ سے اس پر عمل متروک تھا، اس کو کرنے پر دوسروں کو ترغیب ملی اور انہوں نے بھی اس کو اختیار کر لیا۔ یا کسی جگہ کوئی سنت متروک تھی، کسی ایک شخص کے عمل کرنے پر دوسرے لوگوں نے بھی اس سنت کو اپنا لیا۔ ان تمام صورتوں میں کسی بھی ثابت شدہ نیک عمل کا آغاز کرنے والے، سنت متروک کو زندہ کرنے والے اور فراموش شدہ نیکیوں کو یاد کرانے والے کو ان تمام لوگوں کے عمل کا بھی اجر ملے گا جو اس کے بعد اس پر عمل کریں گے۔

اسی طرح کسی نے اس کے برعکس برائی میں پہل کی یا اس کا کسی جگہ آغاز کیا تو بعد میں اس کو دیکھ کر برائی کے مرتکبین کے گناہوں کا بوجھ بھی برائی کا آغاز کرنے والے کو ملے گا۔ اس حدیث کی روشنی میں شادی بیاہوں کی جاہلانہ رسومات اور اسراف و تبذیر پر مبنی ہماری بھرم کر اخراجات، سنت سیہ (برائے طریقہ) ہے۔ کسی خاندان میں اگر سادگی سے نکاح کرنے کا رواج تھا، رسومات سے بچا جاتا تھا لیکن اس خاندان کے کسی فرد نے اگر دولت کے نشے میں اس کے برعکس مروجہ رسومات کے ساتھ شادی کرنے میں پہل کی، یا اس خاندان میں

مہندی کی بے حیائی پر مبنی رسم نہیں تھی، اس نے اس خاندان میں اس کا آغاز کیا، پہلے بجرے کا سلسلہ نہیں تھا، اس نے اس کا ارتکاب کیا، وہی ہذا القیاس، اسی طرح کی دیگر برائیوں میں پہل کرنا ہے۔ تو اس کے بعد اس خاندان میں جتنے لوگ بھی ان میں ملوث ہوں گے، ان کا ارتکاب کریں گے، ان سب کے گناہوں کا بوجھ بھی اس پہل کرنے والے کو ملے گا۔

اسی طرح شادی بیاہوں میں سادگی، پردے کی پابندی، بھاری بھرکم اخراجات سے اجتناب جیسی خوبیاں سنت حسنہ (اچھا طریقہ) ہے۔ جو شخص اپنے خاندان میں اس اچھے طریقے سے شادی کرنے میں پہل کرے گا، بعد میں اس خاندان کے جتنے لوگ اس کی پیروی کرتے ہوئے تمام خرافات و رسومات سے بچ کر شادیاں کریں گے، پہل کرنے والے کو بھی ان سب کی ان نیکیوں کا اجر، ان کے اجروں میں کمی کے بغیر ملے گا۔

یہ در راستے اور دو طریقے ہیں۔ ایک ڈھیروں اجر و ثواب کمانے کا اور دوسرا گناہوں کا ناقابل برداشت بوجھ اپنے اوپر لا دینے کا:

﴿فَمَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَمَنْ شَاءَ فَلْيُكْفُرْ إِنَّا أَعْتَدْنَا لِلظَّالِمِينَ نَارًا﴾ [الحکف: ۲۹]

اب جس کا جی چاہے، بھلائیوں والا راستہ اپنالے اور جس کا جی چاہے دوسرا، لیکن اسے یاد رکھنا چاہیے کہ نافرمانی والا راستہ اختیار کرنے والوں کے لیے جہنم کی آگ ہے۔

۵: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من لبس ثوب شهرة في الدنيا ألبسه الله

ثوب مذلة يوم القيامة ثم الھب فيه ناراً.))

(سنن ابن ماجہ، رقم: ۳۶۰۷، سنن ابی

داود، رقم: ۴۰۲۹)

”جس نے دنیا میں شہرت کا لباس پہنا، اللہ تعالیٰ اس کو

قیامت کے دن ذلت کا لباس پہنائے گا، پھر اس میں جہنم کی آگ بھڑکائے گا۔“

وضاحت:

اللہ تعالیٰ نے اسباب و وسائل سے نوازا ہو تو اظہارِ نعمت کے طور پر اچھا اور عمدہ لباس پہننا جائز ہے۔ لیکن اس حدیث میں جس لباسِ شہرت کا ذکر ہے، وہ کون سا ممنوع لباس ہے؟ اس کی چار صورتیں ہیں:

اس کی ایک صورت تو یہ ہے کہ انسان اس نیت سے لباسِ فاخرہ پہنے کہ لوگوں میں اس کے لباس کا اور اس کی شان و شوکت کا چرچا ہو۔ دوسری صورت یہ ہے کہ عام چلن کے برعکس ایسے رنگ کا یا ایسی تراش خراش کا لباس پہنے کہ اس کی اس طرف طرازی کی وجہ سے اس کی شہرت ہو۔

تیسری صورت یہ ہے کہ ریاکاری کے طور پر فقراء و مساکین کے روپ میں رہے تاکہ لوگ اسے پارسا اور پرہیزگار سمجھیں۔

چوتھی صورت یہ ہے کہ شخص نمود و نمائش کی نیت سے کسی مخصوص قسم کے لوگوں کا لباس اور ان کے طور اطوار اختیار کیے جائیں۔ جیسے آج کل بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں فلموں میں کام کرنے والے مردوں اور عورتوں کے حیا باختہ لباسوں اور بے ہودہ طور اطوار کی نقالی کرتے ہیں۔

اور ایک پانچویں صورت اور ہے کہ ایسا لباس پہننا جائے کہ لباس پہننے کے باوجود جسم کے نمایاں حصے عریان ہوں۔ اس صورت کی مزید تفصیل اگلی حدیث کے تحت آئے گی۔

شادی آیا ہوں میں ہماری عورتوں کا لباس بالعموم (ایک تیسری صورت کو چھوڑ کر) باقی صورتوں کا مظہر ہوتا ہے۔ اس قسم کے لباسوں پر جو سخت وعید ہے، وہ ہم سب کے لیے لمحہ فکریہ ہے:

﴿فَقُلْ مِنْ مَّذَكْبٍ﴾ [القدر: ۲۲]

”کیا کوئی ہے نصیحت پکڑنے والا؟“

۶: حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((صفان من اهل النار لم ارهما: قوم معهم سياط كاذناب البقر يضربون بها الناس ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات، رؤوسهن كأشمة البخت المائلة لا يدخجن الجنة ولا يجدن ريحها، وان ريحها لتوجد من مسيرة كذا وكذا.))

(صحیح مسلم، رقم: ۲۸۰۲)

”جہنمیوں کی دو قسمیں ہیں جنہیں میں نے نہیں دیکھا (ابھی ان کا وجود نہیں ہے، مستقبل میں ہوگا): ایک وہ لوگ کہ ان کے پاس کوڑے ہوں گے گاڑے کی ڈموس جیسے، وہ ان سے لوگوں کو ماریں گے۔ (دوسری قسم) وہ عورتیں جو لباس پہننے کے باوجود تنگی ہوں گی، ناک کرنے والی اور ناک ہونے والی ہوں گی، ان کے سر بختی اوفٹ کی کوہان کی طرح جھکے ہوں گے، یہ عورتیں جنت میں نہیں چلیں گی بلکہ اس کی خوشبو تک نہ پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبو اتنی اتنی مسافت (یعنی بڑی بڑی دور) سے سونگھی جاسکتی ہے۔“

وضاحت:

یہ حدیث نبی ﷺ کے معجزات اور اعلامِ نبوت میں سے ہے۔ آپ ﷺ نے اس میں جن دو قسم کے لوگوں کی پیش گوئی فرمائی تھی، آج قدم قدم پر اس کا مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ خاص طور پر عورت کی جن فتنہ سامانیوں اور حشر انگیزیوں کا اس میں تذکرہ ہے، وہ محتاج وضاحت نہیں۔ ذیل میں اس کی کچھ توضیح کی جاتی ہے۔

پہلی قسم سے ظالم قسم کے لوگ مراد ہیں، جو اپنے وسائل، طاقت و اقتدار اور جاہ و منصب کی بنیاد پر لوگوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کا معاملہ کرتے ہیں۔ دنیا میں یہ لوگ طاقت کے نشے میں اندھے اور مغرور ہوتے ہیں اس لیے رحم و کرم کے بجائے ظلم و ستم ان کا شعار ہوتا ہے۔ آخرت میں اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ایسے لوگ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

اعاذنا اللہ منہ .

جہیزوں کی دوسری قسم فیشن ایبل عورتوں کی ہوگی، ان کی حسب ذیل علامات اور خصوصیات ہوں گی:

۱۔ لباس پہننے کے باوجودنگی ہوں گی، اس کی تین شکلیں عام ہیں:

①.....لباس پہننے کے باوجود ان کے جسم کے بہت سے قابل ستر حصے ننگے ہوں گے، جیسے چہرہ، ہاتھ، یا بازو، گردن اور سینہ (چھاتی) اور گردن کا پچھلا حصہ۔ عورتوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی ہے جن کے یہ حصے ننگے ہوتے ہیں حالانکہ یہ سب حصے پردے میں رہنے چاہئیں۔

②.....ایسا تنگ اور پست لباس پہنا جائے جس سے جسم کے خدوخال ہی نہیں، انگ انگ نمایاں ہو۔

③.....ایسا باہر ایک لباس پہنا جائے کہ جس سے سارا جسم اور جلد کا رنگ جھلکتا نظر آئے۔

— یہ تینوں صورتیں بے پردگی کی ہیں، جن سے مردود کو دعوت نظارہ ملتی ہے۔ مسلمان خواتین کو، جو پردے کی اہمیت سمجھتی ہیں، نامحرموں کے سامنے مذکورہ تینوں صورتوں سے بچنا چاہیے، اس کے بغیر پردے کے تقاضے پورے نہیں ہو سکتے۔

۳۔ میللات کے ایک معنی کیے گئے ہیں: دوسری عورتوں کو بھی مردوں کی طرف راغب کرنے والیاں، یا اپنے کندھوں کو ناز و داد سے منکا منکا کر چلنے والیاں۔ مطلب یہ ہے کہ اپنی چال ڈھال یا ناز و داد سے مردوں کو اپنی طرف مائل کرنا اور دوسروں کو بھی بے حیائی کی اس راہ پر لگانا جیسے فلموں اور ڈراموں میں کام کرنے والی خیاختہ عورتوں کا کردار ہے اور شادی میں شرکت کرنے والی خواتین کا حال ہے کہ وہ بھی اس موقع پر انہی کی نقالی کرتے ہوئے لباس، بناؤ سنگھار اور بے پردگی میں انہی کا سانمو نہ بننے کی کوشش کرتی ہیں تاکہ مووی فلم کے ذریعے سے پورے خاندان میں ان کے حسن و جمال، ان کے لباس اور

زیورات اور ان کے سولہ سنگھار کا تذکرہ ہو۔

۳۔ مائللات کے معنی ہیں ناز و داد سے اپنی چال چلنا جس سے لوگ ان کی طرف مائل اور راغب ہوں۔

۴۔ ”بختی اونٹ کی مانند ان کے سر ہوں گے“ کا مطلب سر پر جوڑا کر کے اسے سر کے درمیان اونچا کر کے باندھ لینا۔ یہ فیشن بھی چند سال قبل عورتوں میں عام تھا اور اب بھی بہت سی عورتیں کرتی ہیں، حتیٰ کہ بعض برقع پوش خواتین کے سروں پر بھی اس طرح کی کلفی نظر آتی ہے۔ اس حدیث کی زد سے بالوں کا یہ اسٹائل یا فیشن بھی ناپسندیدہ ہے۔

۷۔ ”لعن عبد اللہ (بن مسعود) الوائشمات (والمتوشمات) والتمنصات (والمتفلمجات) للحسن المغیرات خلق اللہ . فقالت ام یعقوب: ما هذا؟ قال عبد اللہ: ومالی لا العن من لعن رسول اللہ ﷺ وفی کتاب اللہ، قالت: واللہ لقد قرأت ما بین اللوحین فما وجدته فقال: واللہ لئن قرأته لقد وجدته ﴿وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا﴾ [الحشر: ۷]

(صحیح بخاری، رقم: ۵۹۳۹، صحیح مسلم، رقم: ۲۱۲۵)
”حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے لعنت فرمائی جسم گونے والی اور گدوانے والی عورتوں پر، بال اکھڑوانے والیوں پر، حسن کی خاطر، (دانتوں کے اندر) شکاف کرنے والیوں پر، اللہ کی تخلیق کو بدلنے والیوں پر۔ ام یعقوب (نای عورت) نے کہا: اے (عبد اللہ!) تم یہ کیا کہتے ہو؟ حضرت عبد اللہ نے فرمایا: مجھے کیا ہے کہ میں اس پر لعنت نہ کروں جس پر اللہ کے رسول نے لعنت کی ہے اور جو اللہ کی کتاب میں لعنتی ہے؟ اس عورت نے کہا: اللہ کی قسم! میں نے تو وہ سارا قرآن پڑھا ہے جو دقتیں کے درمیان ہے، اس میں تو میں نے یہ چیز

اس کے لیے جائز بلکہ مستحب ہے کیوں کہ ان بالوں سے واقعی عورت کا چہرہ بد نما ہو جاتا ہے۔ اس بد نمائی کو دور کرنا اس کے لیے جائز اور مستحب ہے جب کہ پہلی قسم کا مطلب فیشن کے طور پر اللہ کی پیدائش میں تبدیلی کرنا ہے جس کی اجازت نہیں ہے۔

متفلسجات، متفلسجہ کی جمع ہے۔ یہ اس عورت کو کہا جاتا ہے جو فلج کرتی یا کرواتا ہے۔ فلج کے معنی ہیں: ثنائی یا رباعی دانٹوں کے درمیان کشادگی کرنا۔ یہ وہ عورتیں کرتی تھیں جن کے دانٹ لٹے ہوتے تھے اور وہ ایسا اپنے آپ کو کسٹن یا خوب صورت ظاہر کرنے کے لیے کرتی تھیں، کیوں کہ کسٹن عورتوں کے دانٹوں کے درمیان کچھ کشادگی ہوتی تھی جو ان کے کسٹن اور حسن کی علامت سمجھی جاتی تھی، اس لیے بڑی عمر کی عورتیں فلج کر کے اپنی عمر تھوڑی اور خود کو حسین باور کراتی تھیں، جیسے آج کل بھی عورتوں میں یہ رجحان عام ہے اور اپنی عمر چھپانے کے لیے دسیوں قسم کے فیشن اور میک اپ کرتی ہیں۔ مذکورہ سب کام ایسے ہیں جن پر لعنت فرمائی گئی ہے اور اس کی دو وجوہ ہیں: ۱۔ ان سب کاموں میں مقصد دھوکا اور فریب دینا ہے۔ ۲۔ ان میں اللہ کی پیدائش میں تبدیلی کرنے کی مذموم سعی ہے۔

مذکورہ تفصیل سے جو چیز واضح ہوتی ہے، وہ یہ ہے کہ عورت زیب و زینت اختیار تو کر سکتی ہے (گواس کا اظہار صرف خاندان کے سامنے جائز ہے) مگر اپنے حسن و جمال میں اضافے کے لیے زیب و زینت کے ایسے طریقے اختیار نہیں کر سکتی جن میں دھوکا اور فریب کا عنصر شامل ہو، یا ان میں اللہ کی تخلیق میں تبدیلی کا اظہار ہو۔ شادی بیاہوں کے سوانح پر عورتوں کی آرائش و زیبائش میں بالعموم یہ دونوں ہی پہلو نمایاں ہوتے ہیں۔

بیوٹی پارلر کا کاروبار حرام ہے!

اس اعتبار سے بیوٹی پارلروں کے ذریعے سے عورتوں میں حسن و جمال اور آرائش و زیبائش کے جو طور طریقے سکھائے جا رہے ہیں اور عورتیں انھیں اختیار کر رہی ہیں، جیسے بالوں کے نئے نئے

(مذکورہ قسم کی عورتوں پر لعنت) نہیں پائی۔ عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا: اللہ کی قسم! اگر تھوڑے (بہ نور) پڑھتی تو یقیناً تھوڑے اس میں یہ بات پائی کہ (اللہ کے) رسول (ﷺ) تمہیں جو دیں اسے لے لو (اچالو) اور جس سے تمہیں روک دیں، اس سے رک جاؤ۔“

تشریح:

واشمات، واشمة کی جمع ہے، یعنی دشم کرنے والی عورت۔ مستوشمات جمع ہے مستوشمة کہ، یعنی دشم کرانے والی عورت۔ دشم کے معنی ہیں گودنا، جس کا مطلب ہے کہ جسم کے کسی حصے پر سوئی یا اسی قسم کی کسی چیز سے باریک ماسورائ کرنا حتیٰ کہ خون بہنا شروع ہو جائے، پھر اس میں سرمہ یا کوئی رنگ بھر دینا۔ عام طرز پر چہرے یا ہاتھوں پر ایسا کیا جاتا تھا جیسے ہندو عورتیں پیشانی پر سیندر بھرتی یا باندی لگاتی ہیں۔ گودنا بھی اسی قسم کا کوئی فیشن تھا جو زمانہ جاہلیت میں عورتوں میں رائج تھا۔ اور آج کل جیسے لوگ ٹیٹو (tatto) بنواتے ہیں، وہ بھی اس میں شامل ہے۔

متنمصات، متنمصہ کی جمع ہے۔ حافظ ابن حجر کہتے ہیں:

”اس کے معنی ہیں: بال اکھڑانے والی عورت۔ اور اکھڑنے والی عورت کو نامصہ کہا جاتا ہے (جیسا کہ صحیح مسلم کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں)۔“

گو یا متنمصات وہ عورتیں ہیں جن کے چہروں یا ابروؤں سے بال اکھڑے جائیں اور جو عورتیں یہ کام کریں گی، وہ نامصہ ہیں۔ یہ بھی اس زمانے کا ایک فیشن تھا کہ پلکوں (ابروؤں) اور چہرے کے اکاؤ کا بالوں کو اکھڑا جاتا تھا جیسے آج کل بھی یہ جاہلی فیشن عورتوں میں عام ہے۔ وہ ابروؤں کے بالوں کو اکھڑ کر مختلف قسم کے چمکیلے رنگ یا سرمہ وغیرہ اس میں بھرتی ہیں۔ حدیث کی رو سے یہ سب لعنتی فعل ہیں۔

تاہم کسی عورت کے چہرے پر دھڑی یا مونچھیں آگ آئیں تو چونکہ یہ معمول کے خلاف بات ہے، اس لیے ان بالوں کا صاف کرنا

اشکال، بناؤ سنگھار کے ذریعے سے عورت کے چلیے کو بدل دینا، سیاہ فام کو سفید فام اور سفید فام کے رنگ و روغن کو مزید نکھار دینا، ابروؤں کے بالوں کو اکھیر کر ان میں سرمہ، روشنائی یا اور اسی قسم کی چیزیں بھرنا، یہ سب کام ممنوع اور حرام ہیں کیوں کہ انھیں لہنتی کام کہا گیا ہے۔ جن کے بارے میں اتنی سخت وعید ہو، ان کے جواز کی گنجائش کہاں نکل سکتی ہے؟ اس لیے جس طرح مذکورہ کام حرام ہیں، اسی طرح بیوی پارلر کا کاروبار بھی حرام ہے کیوں کہ ان میں مذکورہ حرام کام ہی کیے جاتے ہیں یا پھر ان میں مذکورہ چیزوں کی تربیت دی جاتی ہے۔

۸۔ ایک حدیث میں ہے:

”ان امرأۃ قالت یا رسول اللہ! انی لی ضرة فہل علی جناح ان تشبعت من زوجی غیر الذی یعطیننی؟ فقال: رسول اللہ ﷺ ((المتشبع بما لم یعط یتلا بس ثوبی زور۔))“ (صحیح بخاری، رقم: ۵۲۱۹)

”ایک عورت نے کہا: اے اللہ کے رسول! میری ایک سوکن ہے، اگر میں اس کے سامنے کسی چیز کی بابت یہ ظاہر کروں کہ یہ مجھے میرے خاوند نے دی ہے جب کہ وہ چیز اس نے مجھے نہ دی ہو تو کیا اس سے مجھ پر گناہ ہوگا؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جو کوئی ایسے ظاہر کرے کہ یہ چیز میری ہے (یا مجھے دی گئی ہے) حالانکہ وہ اس کی نہ ہو (نہ اس کو دی گئی ہو، اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو مکر و فریب کے دو کپڑے پہنے ہو۔“

وضاحت:

اس حدیث سے جہاں یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک شخص کی دو بیویوں کو آپس میں ایک دوسرے کو جھانسنے کے لیے جھوٹ بول کر یہ تاثر دینا منع ہے کہ اس کا خاوند (دوسری بیوی کے مقابلے میں) اس پر زیادہ مہربان ہے اور اس کو اس نے فلاں چیز لا کر دی ہے جب کہ خاوند کا کردار ایسا نامنصفانہ نہ ہو۔ اس ممانعت سے مقصود جہاں جھوٹی شان

وشوکت کے اظہار سے روکنا ہے، دلی آپس میں فساد اور بگاڑ کا سد باب بھی ہے۔

نبی ﷺ نے اس ممانعت کو جس مبلغ طریقے اور ایک تمثیل انداز سے بیان فرمایا ہے، اس نے اس ممانعت کے مفہوم میں بڑی وسعت پیدا کر دی ہے جس نے مکر و فریب کی ساری صورتوں کو اور جھوٹے وقار کے سارے طور طریقوں کو اپنے دامن میں سمیٹ لیا ہے۔

ہماری شادی بیاہوں میں اس جھوٹے وقار کا بھی عام مظاہرہ کیا جاتا ہے، مثلاً کسی عورت کے پاس زیادہ زیور نہیں ہوتا تو وہ شادی میں شرکت کرنے کے لیے مانگے مانگے کا زیور پہن کر جھوٹے وقار (یعنی خلاف واقعہ اپنی امارت) کا اظہار کرتی ہے۔ حتیٰ کہ بعض دفعہ دلہن کو بھی مانگے مانگے کا زیور پہنا کر یہ غلط تاثر دیا جاتا ہے کہ لڑکے والوں نے دلہن کے لیے اتنا زیور تیار کیا ہے حالانکہ ایسا نہیں ہوتا اور دو تین دن کے بعد وہ زیور دلہن سے لے کر اصل مالکوں کو دے دیا جاتا ہے۔ یہ جھوٹی کارروائی بھی فساد اور بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔

ادرباب تو سونے کے بجائے آرٹیفیشل زیورات نکل آئے ہیں جو دیکھنے میں بالکل سونے کے معلوم ہوتے ہیں اور ان کی مالیت چند سیکنڈے ہوتی ہے جب کہ سونے کے اصل زیورات کی مالیت اب لاکھوں میں ہوتی ہے۔ دھوکا دہی کی یہ صورت بھی اب اختیار کی جانے لگی ہے۔ بعد میں جب حقیقت حال سامنے آتی ہے تو یہ طمع سازی بھی فساد ہی کا باعث بنتی ہے۔

اس حدیث رسول کی رو سے طمع سازی اور فریب کاری کی یہ ساری صورتیں ممنوع قرار پاتی ہیں، مانگے مانگے کا زیور پہن کر جھوٹی شان و شوکت کا اظہار یا آرٹیفیشل فضل کے زیورات کا استعمال یہ باور کرنا کہ یہ سونے ہی کے زیورات ہیں، سب ناجائز، ممنوع ہیں اور فساد بگاڑ کا باعث ہیں۔

دکھلاوے اور نمود و نمائش کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ مکر و فریب کی یہ ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ اس لیے کہ

شادیوں میں دیگر بہت سی خرافات کے ساتھ ساتھ سونے کے زیورات کو بھی ایک لازمی حصہ بنا دیا گیا ہے جب کہ ہماری شریعت میں ان رسومات، فضولی خرچی، ناردابوجہ اور نمودنماش کی قطعاً اجازت نہیں ہے۔ اس کا حل بھی اس کے سوا کوئی نہیں ہے کہ شادی کے اخراجات سے سونے کے زیورات کو بھی یکسر خارج قرار دیا جائے۔

۹: حضرت اُسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ماترکت بعدی فتنة اضر علی الرجال من النساء)) (صحیح بخاری، رقم: ۵۰۹۶)
”میں نے اپنے بعد ایسا کوئی فتنہ نہیں چھوڑا جو عورتوں سے زیادہ مردوں کے لیے نقصان دہ ہو۔“

وضاحت:

یعنی مردوں کے لیے سب سے بڑا فتنہ عورتوں کا فتنہ ہوگا جو میرے بعد رونما ہوگا۔ حالانکہ عورت کا وجود انسان کے لیے راحت و آسائش اور امن و سکون کا باعث ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ أَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِنْ أَنْفُسِكُمْ أَزْوَاجًا لِتَسْكُنُوا إِلَيْهَا وَجَعَلَ بَيْنَكُمْ مَوَدَّةً وَرَحْمَةً﴾

[الرؤم: ۲۱]

”اللہ کی نشانیوں میں سے یہ بھی ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہارے ہی نفوس (جنس) سے بیویاں پیدا کیں تاکہ تم ان سے سکون حاصل کرو اور اس نے تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کر دی۔“

علاوہ ازیں عورت کا وجود مرد کے لیے ناگزیر اور انسانی زندگی کے دو پہیوں میں سے ایک پہیہ ہے۔ اس کے باوجود اس کو مرد کے لیے سب سے زیادہ خطرناک فتنہ کیوں قرار دیا گیا ہے؟ اس کی وجہ مرد کی یہ کمزوری ہے کہ قوامیت (گھر کی سربراہی، حاکمیت اور نگرانی) کا مقام اللہ تعالیٰ نے مرد کو عطا کیا ہے لیکن ایک تو اس نے عورت کو دینی

تعلیم و تربیت سے آراستہ نہیں کیا۔ اور دوسرا، گھر میں اپنی قوامیت (حاکمیت) عورت کے سپرد کر کے خود محکومیت کا درجہ اپنے لیے پسند کر لیا، بالخصوص شادی بیاہ کے معاملات اور رسوم و رواج کی پابندی، فیشن پرستی اور اسراف و تبذیر کے مظاہر میں۔ ان تمام معاملات میں مردوں نے بے بسی بلکہ پسپائی اختیار کر لی ہے اور اپنے مردانہ اختیارات عورت کو دے دیے ہیں۔

شادی بیاہ میں وہی ہوگا جو شریعت سے بے پردا عورت کہے گی اور کرے گی، مرد کا کام غلام بے دام کی طرح صرف اس کے حکم کی بجا آوری ہے، حتیٰ کہ عورت کی خواہشات اور مطالبات پورے کرنے کے لیے اس کے پاس اگر وسائل بھی نہیں ہیں تو وہ رشوت لے گا، لوٹ کھسوٹ کرے گا، آمدنی کے دیگر حرام ذرائع اختیار کرے گا، قرض لے گا، حتیٰ کہ سودی قرض لینے سے بھی گریز نہیں کرے گا، پھر ساری عمر قرض کے بوجھ تلے کراہتا رہے گا۔

علاوہ ازیں عورت اگر کہے گی تو بننے والے داماد کو سونے کی انگوٹھی پہنا کر اپنی بھی اور اس کی بھی آخرت کی بربادی کا سامان کیا جائے گا، عورت کہے گی تو پورا ہفتہ دھوکا وغیرہ کے ذریعے سے اہل حلقہ کی نیندیں خراب کی جائیں گی، عورت کہے گی تو ہمبندی کی رسم میں نوجوان بچیاں سرعام تاجیں گی۔ وعلیٰ هذا القیاس وغیرہ رسوں کا معاملہ ہے۔

ظاہر بات ہے مرد کی اس پسپائی اور بے بسی میں اس کے لیے دنیا کی بربادی کا بھی سامان ہے اور آخرت کی ذلت و رسوائی بھی اس کا مقدر ہے۔ کیا ایک مسلمان کہلانے والے مرد کے لیے اس سے بھی بڑا فتنہ کوئی اور ہو سکتا ہے؟ خیر الدنیا والآخرۃ کا یہی وہ فتنہ ہے جس کا اظہار بان رسالت مآب ﷺ سے ہوا ہے۔

دین دار عورت دین داروں کے لیے فتنہ نہیں ہے:

عورت کا یہ فتنہ انھی لوگوں کے لیے ہے یا ان کے حق میں فتنہ ہے جنہوں نے اپنی مردانگی (قوامیت) سے دست بردار ہو کر اپنی باگ ڈور اور زمام کار عورت کے ہاتھ میں دے دی۔ لیکن جو لوگ اپنی

قائنات کا مطلب ہے: فرماں بردار خالق کی بھی اور خاوند کی بھی۔

اس وضاحت سے مقصود یہ ہے کہ نبی ﷺ نے عورت کو مردوں کے لیے جو نہایت خطرناک فتنہ قرار دیا ہے جس کے شواہد آج ہم دیکھ رہے ہیں، یہ وہ عورتیں ہیں جو شرعی حدود و قیود سے آزاد ہیں اور ان کے مرد بھی اپنی غلامانہ ذہنیت اور دین سے دور ہونے کی وجہ سے ان عورتوں کو روکنے کوئے اور ان کو راہ راست پر رکھنے کی ہمت نہیں رکھتے۔ لیکن جن مردوں کی عورتیں دین دار اور دین کی پابند ہیں اور وہ دینی اقدار و روایات کی بالادستی میں اپنے خاوندوں کی مددگار ہوتی ہیں، وہ فتنہ نہیں ہیں، وہ سراپا خیر و برکت ہیں۔ اسی لیے ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ شادی کرتے وقت دیگر دنیاوی ترجیحات کے مقابلے میں دین دار عورت کا انتخاب کرو تاکہ وہ زندگی کے ہر موڑ پر اوڑھن ہر مقابلے میں شریعت کے احکام کو بروئے کار لانے میں مرد کا ساتھ دے، اس کی مخالفت اور اپنی من مانی نہ کرے۔

الغرض شادی بیاہوں کی مذکورہ رسومات اور ان کی حشر سامانیوں سے بچنے کے لیے نہایت ضروری ہے کہ دین سے ہماری وابستگی برائے نام نہ ہو بلکہ حقیقی ہو اور ہماری خواتین بھی دینی اقدار و روایات کی پابند اور اس کا صحیح نمونہ ہوں جس کا مظاہرہ شادی بیاہ کی تقریبات میں واضح طور پر ہو۔ وہ شادی کی تقریب اپنے ہی کسی بچے یا بچی کی ہو یا خاندان کے کسی اور گھرانے کی، دیکھنے والے دیکھیں کہ یہ شادی واقعی کسی دین دار خاندان کی ہے یا اس میں شریک ہونے والی خواتین واقعی دین دار، پروے کی پابند، شریعت کی پاس دار اور سادگی کا پیکر ہیں۔

وفي ذلك فليتنافس المتنافسون .

(باقی آئندہ)

خطیب کے ضرورت مند

ایک خطیب صاحب جو اردو زبان میں خطابت کا تجربہ رکھتے ہیں، کسی اہل حدیث مسجد میں خطابت کے ضرورت مند حضرات رابطہ کریں۔

رابطہ نمبر: 0322-4558342

توا میت کو برقرار رکھتے ہیں اور عورت کو کسی بھی مرحلے پر شریعت کے دائرے سے نہیں نکلنے دیتے بلکہ اس کو پابند شریعت بنا کر رکھتے ہیں، عورت ان کے لیے کسی بھی مرحلے پر فتنہ ثابت نہیں ہوتی بلکہ ان کی خیر خواہ، معاون اور ہر اچھے کام میں ان کا دوست و بازو اور سراپا خیر اور رحمت ہوتی ہے۔ نبی ﷺ نے بھی ایسی نیک عورت کو دنیا کی بہترین متاع قرار دیا ہے۔ فرمایا:

((الدنيا متاع وخير متاع الدنيا المرأة الصالحة .)) (صحیح مسلم، رقم: ۱۶۶۹)

”دنیا ایک پونجی ہے اور دنیا کی سب سے بہتر پونجی نیک عورت (بیوی) ہے۔“

ایک دوسری حدیث میں نیک عورت کی خصلتیں بیان فرمائی ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

”سئل رسول اللہ ﷺ ای النساء خیر؟ قال: - ((التي تسره اذا نظر، وتطيعه اذا امر، ولا تخالفيه فيما يكره في نفسها وماله .))“

(سنن نسائی، رقم: ۳۲۳۳)

”رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا گیا: کون سی عورت بہتر ہے؟

آپ ﷺ نے فرمایا: وہ عورت (بیوی) سب سے بہتر ہے

جب خاوند اس کی طرف دیکھے تو وہ خوش کن نظر سے اسے

دیکھے۔ جب خاوند اسے کسی بات کا حکم دے تو اسے بجالائے۔

اور وہ (عورت) اپنے نفس اور خاوند کے مال میں اس کی

خواہش کے برعکس ایسا رویہ اختیار نہ کرے جو اس کے خاوند کو

ناپسند ہو۔“

قرآن مجید میں بھی نیک عورتوں کے لیے قائنات کا لفظ استعمال

ہوا ہے:

﴿فَالصَّالِحَاتُ قَانِتَاتٌ﴾ [النساء: ۱۳۴]

”نیک عورتیں قائنات ہیں۔“

بارات اور جہیز کا تصور؛ مفاسد اور حل

(مولانا) حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

شادی کے موقع پر وف بجانے کی شرعی حیثیت:

شادی کی مرد و رسموں میں خوشی کے شادیانے بجانا بھی ہے جس کی کئی صورتیں رائج ہیں:

اولاً: شادی سے قبل کئی دن تک محلے کی آد قریبی رشتے داروں کی نوجوان لڑکیاں اور عورتیں شادی والے گھر میں راتوں کو گھنٹوں ڈھولک بجاتی اور گانے گاتی ہیں جس سے اہل محلہ کی نیند خراب ہوتی ہیں۔

ثانیاً: برات کے ساتھ فوجی بینڈ کا اہتمام کیا جاتا ہے جس میں فلی گاؤں کی دھنوں پر ساز و آواز کا جادو بگایا جاتا ہے اور اب متنگی کے موقع پر بھی ایسا کیا جانے لگا ہے۔

ثالثاً: بہت سے لوگ میوزیکل شوز کا اہتمام کرتے ہیں جس میں ناپنے گانے والی پیشہ ور عورتیں اور مرد حصہ لیتے ہیں۔ اس میں بے حیائی پر مبنی حرکتوں اور بازاری عشقیہ گانوں سے لوگوں کو محظوظ کر کے ان کے ایمان و اخلاق کو برباد کیا جاتا ہے۔

رابعاً: نکاح اور ویسے کی تقریبات میں شادی ہال اول سے آخر تک میوزک کی دھنوں سے گوبہا رہتا ہے اور اس طرح نکاح اور ویسے کی بابرکت تقریبات بھی شیطان کی آماج گاہ بنی رہتی ہیں۔

ان تمام خرافات اور شیطانی رسومات و حرکات کے جواز کے لیے ان احادیث سے استدلال کیا جاتا ہے جن میں شادی اور عید یعنی خوشی کے موقع پر چھوٹی بچیاں کو دف بجانے اور قوی مفاخر پر مبنی نغمے اور ملی ترانے گانے کی اجازت دی گئی ہے۔

①..... جیسے حضرت ربیع بنت معوذ بیان کرتی ہیں کہ جب میری رخصتی عمل میں آئی تو رسول اللہ ﷺ میرے پاس تشریف لائے اور میرے پاس اس طرح آکر بیٹھ گئے جیسے تو میرے پاس بیٹھا ہے (راوی ہے خطاب ہے)۔ تب چھوٹی بچیاں (خوشی کے طرز پر) دف بجا کر شہدائے بدر کا مرثیہ پڑھنے لگیں۔ اچانک ان میں سے ایک بچی نے کہا: ”ہمارے اندر ایسے نبی ہیں جو کل کی بات جانتے ہیں۔“ نبی ﷺ نے یہ سن کر فرمایا:

((دعی هذه و قولی بالذی كنت تقولین .))
(صحیح بخاری ، رقم: ۵۱۴۷)

”اس کو چھوڑ دو اور وہی کہہ جو پہلے کہہ رہی تھی۔“

صحابہ کرام (چھوٹے بڑے سب) صحیح العقیدہ تھے۔ اس لیے بچی کے مذکورہ قول کا مطلب یہ نہیں تھا کہ اس میں نبی ﷺ کی بابت عقیدہ علم غیب کا اظہار تھا بلکہ آپ ﷺ کی رسالت کا اظہار تھا، رسول پر وحی کا نزول ہوتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو اپنے احکام سے بھی مطلع فرماتا ہے اور آئندہ آنے والے واقعات سے بھی بعض دفعہ باخبر کر دیتا ہے۔ بچی کے شعری مصرعے کا مطلب اسی وحی الہی کا اثبات تھا۔ پھر بھی رسول اللہ ﷺ نے اس کو اس طرح کہنے سے روک دیا کہ مبادا بعد کے لوگ بد عقیدگی کا شکار ہو جائیں۔

علاوہ ازیں ایک دوسری روایت میں صراحتاً بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((ولا يعلم ما فى غد الا الله.))

(طبرانی بہوالآداب الزفاف للالبانی، ص: ۹۵)
”کل عالم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔“

بہر حال اس واقعہ سے خوشی کے موقع پر چھوٹی بچیوں کا اشعار پڑھ کر اظہار مسرت کرنے کا اثبات ہوتا ہے۔

(۲)..... عہد نبوی کا ایک دوسرا واقعہ ہے، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ایک لڑکی کو نکاح کے بعد شب زفاف کے لیے تیار کر کے اس کے خاوند (ایک انصاری مرد) کے پاس بھیجا، رسول اللہ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا:

((ما کان معکم لہو؟ فان الانصار یعجبہم

اللہو.)) (صحیح بخاری، رقم: ۵۱۶۲)

”تمہارے پاس ”لہو“ نہیں ہے؟ انصار کو ”لہو“ پسند ہے۔“

حافظ ابن حجر کہتے ہیں: ایک دوسری روایت میں ((ماکان معکم لہو؟)) کی جگہ الفاظ ہیں:

((فهل بعتنم معها جارية تضرب بالدف

تغني؟))

”کیا تم نے اس کے ساتھ کوئی بچی (یا لونڈی) بھیجی ہے جو

دف بجا کر اور گا کر خوشی کا اظہار کرتی؟“

اسی طرح ((فان الانصار یعجبہم اللہو)) کی جگہ

دوسری روایت میں ہے:

((قوم فیہم غزل.)) (فتح الباری: ۹/ ۲۸۲)

”انصار میں شعر و شاعری کا چرچا ہے۔“

اس دوسری روایت کے الفاظ سے پہلی روایت میں وارد لفظ ”لہو“

کی وضاحت ہو جاتی ہے کہ واقعہ مذکورہ میں اس سے مراد چھوٹی بچی کا

دف بجا کر اور قومی گانا گا کر اظہار مسرت کرنا ہے۔

(۳)..... محمد بن حاطب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((فصل ما بین الحلال والحرام الدف

والصوت فی النکاح.))

(سنن نسائی، رقم: ۳۳۷۱)

”حرام اور حلال کے درمیان فرق کرنے والی چیز دف بجانا

اور نکاح میں آواز بلند کرنا ہے۔“

(۴)..... ایک اور واقعہ احادیث میں بیان ہوا ہے، عامر بن سعد

رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں ایک شادی میں گیا، وہاں دو صحابی رسول:

حضرت قرظ بن کعب اور ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہما بھی تھے۔ میں نے

دیکھا کہ وہاں چھوٹی بچیاں گانا گا رہی ہیں۔ میں نے دونوں صحابیوں

سے کہا: تم دونوں اصحاب رسول اور اہل بدر (جنگ بدر کے شرکاء) میں

سے ہو، تمہاری موجودگی میں یہ ہو رہا ہے؟ انہوں نے فرمایا:

”شادی کے موقع پر ہمیں ”لہو“ (چھوٹی بچیوں کے قومی

گیت وغیرہ) گا کر اظہار مسرت کرنے کی رخصت دی گئی

ہے، تمہارا جی چاہتا ہے تو سنو، جانا چاہتے ہو تو تمہاری مرضی

ہے۔“ (سنن نسائی، حدیث: ۳۳۸۵)

مذکورہ روایات سے کیا ثابت ہوتا ہے؟

ان احادیث سے دو باتوں کا اثبات ہوتا ہے: اول: دف بجانے

کا۔ دوسری: ایسے گیتوں اور شعروں کے گانے اور پڑھنے کا جن میں

خاندانی شرف و نجابت کا اور آباء و اجداد کے قومی مفاخر کا تذکرہ ہو لیکن

ساری متعلقہ صحیح احادیث سے ان دونوں باتوں کی جو نوعیت معلوم

ہوتی ہے، اس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

ومنہیات تک پہنچا دے تو ایسی صورتوں میں وہ جائز کام بھی ناجائز اور حرام قرار پائے گا۔

موجودہ حالات میں اظہار مسرت کے مذکورہ جائز طریقے کا جواز؟ اس وقت مسلمانوں کی اپنے مذہب سے وابستگی اور اس پر عمل کرنے کی جو صورت حال ہے، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ اس لیے شادی بیاہ کے موقعوں پر وہ اللہ و رسول ﷺ کے احکام کو بالکل پس پشت ڈال دیتے ہیں اور محرمات ومنہیات کا نہایت دیدہ دلیری سے ارتکاب کرتے ہیں۔ مہندی کی رسم اور اس میں نوجوان بچوں کا سر عام ناچنا گانا، ویڈیو اور مودی فلمیں بنانا، بے پردگی اور بے حیائی کا ارتکاب، بینڈ باجے، میوزیکل ڈھنسیں اور میوزیکل شو، آتش بازی وغیرہ، یہ سب کیا ہیں؟ یہ سب فحشوں کی نقالی اور اسلامی تہذیب و روایات کے یکسر خلاف ہیں۔ اسلام سے ان کا نہ کوئی تعلق ہے اور نہ ہی ہو سکتا ہے۔

یہ صورت حال اس امر کی تائید کرتی ہے کہ موجودہ حالات میں دف بجانے اور قومی گیت گانے کی بھی اجازت نہیں دی جاسکتی، کیوں کہ کوئی بھی شریعت کی بنیائی حد تک محدود نہیں رہتا اور محرمات تک پہنچنے بغیر کسی کو تسلی نہیں ہوتی۔

بنابرین اسلام کے مسئلہ اصول مسدا للذریعہ کے تحت یہ جائز کام بھی اس وقت ممنوع ہی قرار پائے گا جب تک قوم اپنی اصلاح کر کے شریعت کی پابند نہ ہو جائے اور شریعت کی حد سے تجاوز کرنے کی عادت اور معمول کو ترک نہ کر دے۔

کیا غیر شرعی شادیوں کا بائیکاٹ صحیح نہیں ہے؟

لوگ کہتے ہیں کہ جن شادیوں میں غیر شرعی حرکتیں ہوتی ہیں تو ان کو خاموشی سے برداشت کر لینا چاہیے اور ان رسومات کی وجہ سے

۱: خاص موقعوں پر دف بجایا جاسکتا اور قومی گیت گایا جاسکتا ہے، جیسے شادی کے موقع پر یا عید وغیرہ پر، جس کا مقصد نکاح کا اعلان کرنا اور خوشی کا اظہار کرنا ہے تاکہ شادی خفیہ نہ رہے۔ اسی لیے یہ حکم بھی دیا گیا ہے:

((اعلنوا النکاح۔)) (صحیح ابن حبان،

حدیث: ۱۲۸۵، آداب الزفاف، حدیث: ۹۷)

”نکاح کا اعلان کرو۔“

یعنی علانیہ نکاح کرو، خفیہ نہ کرو۔ اس حکم سے مقصود خفیہ نکاحوں کا سد باب ہے جیسے آج کل ولی کی اجازت کے بغیر خفیہ نکاح یہ صورت لومیرج، بیکرٹ میرج اور کورٹ میرج کیے جا رہے ہیں، عدالتیں اور فقہی جمود میں مبتلا علماء ان کو سند جواز دے رہے ہیں حالانکہ احادیث کی رو سے یہ سب نکاح باطل ہیں، یہ نکاح منعقد ہی نہیں ہوتے۔

۲: یہ کام صرف چھوٹی یعنی نابالغ بچیاں کر سکتی ہیں، بالغ عورتوں کو ان کاموں کی اجازت نہیں ہے اور نہ مردوں ہی کو اس کی اجازت ہے۔

۳: یہ کام نہایت محدود پیمانے پر ہو۔ محلے کی یا خاندان اور قبیلے کی بچیوں کو دعوت دے کر جمع نہ کیا جائے۔

۴: اور سب سے اہم بات یہ کہ ان کاموں کی صرف اجازت ہے، ان کی حیثیت فرض و واجب اور امر لازم کی نہیں ہے۔ جیسے مذکورہ دو صحابیوں کے واقعات میں ہے:

”قدر خص لنا فی اللہو عند العرس۔“

”ہمیں شادی کے موقع پر ”لہو“ کی رخصت دی گئی ہے۔“

۵: اور یہ مسئلہ اصول ہے کہ ایک جائز کام، حدود و ضوابط کے دائرے میں نہ رہے اور اس کا ارتکاب بہت سے محرمات

بایکٹ نہیں کرنا چاہیے۔ اس سے رشتے دار یاں ٹوٹ جاتی ہیں، بہن بھائی، عزیز و اقارب ناراض ہو جاتے ہیں، وغیرہ وغیرہ۔

یہ ٹھیک ہے کہ صلہ رحمی (رشتے دار یوں کو قائم رکھنے) کی تاکید ہے اور قطع رحمی (رشتے توڑ دینے) پر بڑی سخت وعید ہے۔ لیکن اس حکم کا تعلق دنیوی معاملات سے ہے، یعنی دنیوی معاملات میں کتنی بھی تلخی، کشیدگی، ناراضی ہو جائے، اسے طول نہیں دینا چاہیے اور نہ ان کی وجہ سے بول چال اور تعلق منقطع کرنے کی اجازت ہے اور اگر جذبات میں زیادہ شدت ہو تو تین دن تک تعلق منقطع کرنے کی زحمت ہے، اس کے بعد صلح کر لینی اور بات چیت شروع کر دینی چاہیے۔ تین دن سے زیادہ کسی مسلمان بھائی سے تعلق منقطع کیے رکھنے کی اجازت نہیں ہے۔ لیکن جہاں تک دین کا تعلق ہے، دینی احکام و شعائر اور دینی اقدار و روایات کے احترام اور ان پر عمل کرنے کا معاملہ ہے تو یہ دنیوی معاملات سے یکسر الگ ہے۔ دین، دنیا کی ہر چیز سے زیادہ محترم اور ہر تعلق سے زیادہ بالا ہے۔ اس کے احترام اور بلا دستی پر ہر چیز اور ہر تعلق کو قربان کیا جاسکتا ہے بلکہ کیا جانا ضروری ہے، یہی ایمانی غیرت اور دینی حیمت کا تقاضا ہے۔ جو لوگ کہتے ہیں کہ شادی بیاہوں میں ساری شیطانی حرکتوں اور جاہلی رسومات کے باوجود ان کا بایکٹ کرنا صحیح نہیں ہے، ان میں شریک ہی رہنا چاہیے، ان کے اندر نہ دین کی حیمت و غیرت ہے اور نہ دین اسلام کا صحیح شعور، وہ اسوۂ رسول ﷺ سے بھی بے خبر ہیں اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی دینی غیرت سے بھی لاعلم۔ ذرا نبی ﷺ کا اسوۂ حسنہ دیکھیے!

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ انھوں نے ایک تصویروں والا گدہ خریدا، جب رسول اللہ ﷺ تشریف لائے اور گھر

کے اندر داخل ہونے لگے تو دروازے ہی سے اس گدے پر نظر پڑ گئی تو آپ ﷺ دروازے ہی پر کھڑے ہو گئے، اندر داخل نہیں ہوئے (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:) میں نے آپ ﷺ کے چہرے پر ناگواری کے اثرات دیکھے تو میں نے کہا: اے اللہ کے رسول ﷺ! میں بارگاہ الہی میں تو بہ کرتی ہوں اور آپ ﷺ سے بھی معافی کی خواست گار ہوں، مجھ سے کیا غلطی صادر ہو گئی ہے؟ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا: یہ گدہ کیا ہے؟ میں نے کہا: یہ میں نے آپ ﷺ کے لیے خریدا ہے تاکہ آپ ﷺ اس پر بیٹھا کریں اور اس کو بہ طور نیک استعمال کر لیا کریں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

”ان تصویر والوں کو قیامت کے دن عذاب دیا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا: تم نے جو یہ تصویریں بنائی تھیں، ان میں جان ڈال کر ان کو زندہ کرو!“ مزید فرمایا:

((ان البيت الذی فیہ الصور لا تدخله الملائکة.)) (صحیح بخاری، رقم: ۲۱۰۵)
”جس گھر میں تصویریں ہوں، اس میں (رحمت کے) فرشتے داخل نہیں ہوتے۔“

جب اللہ کے رسول ﷺ کا اسوۂ حسنہ، جو مسلمانوں کے لیے واجب الاتباع ہے، یہ ہے کہ جہاں آپ ﷺ کو تصویریں نظر آئیں وہاں آپ ﷺ نے داخل ہونا پسند نہیں فرمایا تو جن اجتماعات میں بیٹھنا باجے بن کر رہے ہوں، مرد و زن کا خلوط اجتماع ہو، عورتوں نے شرم و حیا کے سارے حجابات اُتار چھینک دیے ہوں، ان کی مودعی بن رہی ہو، ایسے شیطانی اجتماعات میں شریک ہونا اور شریک رہنا، ایک مسلمان

مرد اور عورت کے لیے کیسے جائز ہو سکتا ہے؟

رہا مسئلہ ایسی خرافات کے ارتکاب کرنے والوں کے بایکاث کا تو اس کا اثبات اگرچہ رسول اللہ ﷺ کے اس واقعہ سے بھی یقیناً ہو جاتا ہے لیکن ہم دو صحابیوں کی ایمانی غیرت کے بھی دوائے اس موقع پر بیان کرنا مناسب سمجھتے ہیں تاکہ مزید وضاحت ہو جائے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے والوں کے ساتھ کتنا سخت رویہ اختیار فرمایا اور رشتوں کو قطعاً کوئی اہمیت نہیں دی۔ پہلا واقعہ:

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے یہ حدیث بیان فرمائی کہ عورتوں کو مسجدوں میں جا کر نماز پڑھنے سے مت روکو۔ تو ان کے بیٹے بلال نے کہا: ہم تو عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکیں گے تاکہ فساد پیدا نہ ہو۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سخت غضب ناک ہوئے اور ان کو اتارنا بھلا کہا کہ کبھی کسی کو اتارنا بھلا نہ کہا اور فرمایا:

”میں تجھے رسول اللہ ﷺ کا قرآن سنارہا ہوں اور تو اس کے مقابلے میں کہتا ہے کہ ہم عورتوں کو مسجدوں میں جانے سے روکیں گے!“ (صحیح مسلم، حدیث: ۴۴۲)

یہی روایت مسند احمد میں بھی ہے۔ جس میں یہ اضافہ بھی ہے:

”فما كلمه عبد الله حتى مات.“ (مشكاة،

حدیث: ۱۰۸۴۔ وقال الالبانی: سندہ صحیح)
”حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے اس بیٹے سے ساری عمر کلام نہیں کیا حتیٰ کہ فوت ہو گئے۔“

دوسرا واقعہ:

اسی طرح کا ایک واقعہ حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا ہے، ان کا ایک قریبی عزیز (بھتیجا) انگلی سے کنکری پھینک رہا تھا، عبداللہ بن

مغفل نے اسے اس سے روکا کہ نبی ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے، اس کے باوجود وہ باز نہیں آیا تو انھیں نے اس سے فرمایا: میں تجھے رسول اللہ ﷺ کی حدیث سنارہا ہوں کہ اس سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے اور تو پھر بھی کنکری مار رہا ہے؟

”الا اكلمك ابدا.“ (صحیح مسلم، رقم: ۱۹۵۴)

”میں تجھ سے کبھی کلام نہیں کروں گا۔“

اللہ کی ناراضی یا لوگوں کی ناراضی کس سے بچنا ضروری ہے؟
دو وجہ تھیں اور ملاحظہ فرمائیں جو نہایت فیصلہ کن ہیں بہ شرط کہ دل

میں ایمان کی حرارت اور اللہ کا خوف ہو؟

(۱) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من ارضى الله بسخط الناس ، كفاه الله الناس ، ومن اسخط الله برضى الناس وكله الله الى الناس .))

(الصحيحه للالباني: ۵/۳۹۲)

”جس نے اللہ کو راضی کر لیا، چاہے لوگ ناراض ہو گئے ہوں اللہ اس کو لوگوں سے کافی ہو جائے گا۔ اور جس نے لوگوں کو راضی کرنے کے لیے اللہ کو ناراض کر لیا، اللہ اس کو لوگوں ہی کے حوالے کر دے گا۔“

(۲) کمال ایمان کے لیے بھی بایکاث کر کے نفرت کا اظہار ضروری ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((من احب لله وابغض لله واعطى لله ومنع لله ، فقد استكمل الايمان .)) (سنن ابی داود، رقم: ۴۶۸۱، المعجم الكبير للطبرانی: ۸/۲۰۸)

”جس نے (کسی سے) اللہ کے لیے محبت رکھی اور اللہ ہی کے لیے نفرت رکھی، اللہ ہی کے لیے (کسی کو کچھ) دیا اور اللہ ہی کے لیے انکار کیا، اس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔“

وضاحت:

کسی نیک آدمی سے اس کی نیکی اور تقویٰ کی وجہ سے، کسی عالم دین سے اس کی حق گوئی اور حق پرستی کی وجہ سے، کسی صداقت شعار آدمی سے اس کی صداقت اور راست بازی کی وجہ سے محبت رکھتا اللہ کے لیے محبت ہے کیوں کہ ان خوبیوں کو اپنانے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور ان کے اختیار کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ بھی محبت رکھتا ہے۔

اور جو اللہ کے حکموں کو پال کرتا ہے، اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے تو ایسے لوگوں سے نفرت اور ناراضی کا اظہار کرنا، اللہ کے لیے نفرت کا اظہار ہے جو اللہ کو پسند ہے۔ اسی طرح کسی ضرورت مند صاحب ایمان کو اللہ کی رضا کے لیے دینا اللہ کے لیے دینا ہے جس سے اللہ خوش ہوتا ہے اور کسی بدکردار کو دینے سے انکار کر دینا، اللہ کے لیے انکار ہے، یہ سب کچھ اللہ ہی کے لیے کرنا کمال ایمان ہے اور اس کے برعکس رویہ ایمان کے منافی ہے۔

مذکورہ احادیث کی روشنی میں یہ آسانی فیصلہ کیا جاسکتا ہے کہ زیر بحث قسم کی شادیوں میں شریک ہونا اور آخر وقت تک شریک رہنا، ایک مسلمان کے شایان شان اور اللہ کے ہاں پسندیدہ ہے یا ان کا بایکاث کرنا شیوہ مسلمانوں اور عند اللہ پسندیدہ ہے؟

ہر شخص آخرت کی جواب دہی کا احساس اور فکر کرتے ہوئے، اگر آخرت پر اس کا یقین ہے، جواب سوچ لے اور اس کے مطابق فیصلہ کر لے۔

ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے جاتے ہیں مانو نہ مانو! جان جہاں اختیار ہے آئینہ دیکھ کر براندہ منائیے، اصلاح کیجیے:

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((المؤمن من آراء المؤمن ۱۰))

(سنن ابی داود، رقم: ۴۹۱۸)

”مومن، مومن کا آئینہ ہے۔“

آئینے کا کام کیا ہے؟ وہ چہرے اور رنگ روپ کو بالکل اس طرح دکھاتا ہے جس طرح وہ ہوتا ہے، اس میں نہ آئینے کا کوئی نقص ہے اور نہ آئینہ دکھلانے والے کی غلطی۔ اس لیے بیان کردہ رسومات اور اس میں ہمارے عمل اور رویے کی تفصیلات ایک آئینہ ہے جو ایک مومن بھائی نے دوسرے مومن بھائیوں اور بہنوں کو دکھلایا ہے جس سے مقصود اصلاح اور خیر خواہی کے سوا کچھ نہیں۔

بنابریں ع ”آئینان کو دکھلایا تو برامان گئے“ والا طرز عمل اختیار کرنے کی بجائے اپنے رویوں کا جائزہ لے کر ان میں اصلاح اور تبدیلی کی کوشش کریں۔ وبید اللہ التوفیق۔

قرآن کریم میں اللہ کا حکم:

اب تک جو گفتگو ہوئی، احادیث رسول اور آثار صحابہ کی روشنی میں تھی اب ذرا قرآن کریم میں اللہ تبارک و تعالیٰ کے احکام بھی ملاحظہ فرمائیے:

①... ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ أَنْ إِذَا سَأَلْتُمُ آيَةَ اللَّهِ يَكْفُرْ بِهَا وَيُسْتَهْزَأَ بِهَا فَلَا تَفْعَلُوا مَعَهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ إِنَّكُمْ إِذَا فَعَلْتُمْ إِنَّ اللَّهَ جَامِعُ الْمُنَافِقِينَ وَالْكَافِرِينَ فِي جَهَنَّمَ

جُونَعَانَ [النساء: ۱۴۰]

”اور اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے اور مذاق اُڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو! جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں نہ کرنے لگیں، (ورنہ) تم بھی اس وقت انھی جیسے ہو گے، یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور سب منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔“

یعنی جہاں اللہ کے احکام کا انکار یا ان کا مذاق اُڑایا جاتا ہو تو اہل ایمان کو وہاں بیٹھنے (جانے یا اگر بے خبری میں چلے گئے ہیں تو بیٹھے رہنے) سے منع کیا جا رہا ہے اور تنبیہ کی جا رہی ہے کہ اگر تم منع کرنے کے باوجود ایسی مجلسوں میں جاؤ گے یا وہاں بیٹھے رہو گے تو تم بھی گناہ اور نافرمانی میں ان کے برابر ہو گے۔

جیسے ایک حدیث میں آتا ہے، نبی ﷺ نے فرمایا:

”جو شخص اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے، وہ اس دعوت میں شریک نہ ہو جس میں شراب کا دور چلے۔“

(مسند احمد: ۱/۳۹۲، ۳۳۹)

اس سے معلوم ہوا کہ ایسی مجلسوں یا اجتماعات میں شریک ہونا جن میں اللہ رسول کے احکام کا قولاً یا عملاً انکار یا مذاق اُڑایا جاتا ہو، جیسے آج کل امراء، فیشن ایبل اور مغرب زدہ حلقوں میں بالعموم ایسا ہوتا ہے یا شادی بیاہ کی تقریبات میں ایسا کیا جاتا ہے۔ کیوں کہ کھلم کھلا، علانیہ اللہ کی حرام کردہ چیزوں کا ارتکاب بھی دراصل اللہ کے احکام کا مذاق اُڑانا ہی ہے۔ علاوہ ازیں ارتکاب کرنے والے اور خاموش تماشا کی بن کر شرکت کرنے والے، دونوں جرم میں برابر کے گناہ گار

ہیں۔ اسی لیے اللہ نے اس آیت میں یہ فرما کر کہ ﴿إِنَّكُمْ إِذَا مَثَلْتُمْ﴾ (اس وقت تم بھی ان جیسے ہو گے) شرکت کرنے والوں کے لیے یہ کہنے کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی کہ ہم کیا کر سکتے ہیں، ہم تو رشتے داری کی وجہ سے مجبور ہیں؟ ”ان جیسے ہی ہو گے“ کی وعید قرآنی اہل ایمان کے اندر کچھ پیٹاری کر دینے کے لیے کافی ہے۔ جو شرط کہ دل کے اندر ایمان ہو۔

اور یہ جو اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ ”اس نے یہ کتاب میں نازل کیا ہے“ یہ اس آیت کا حوالہ ہے جو اللہ نے اس سے قبل نازل فرمائی اور اس میں بھی یہی حکم فرمایا جو اس میں فرمایا ہے اور وہ آیت ہے:

﴿وَإِذَا رَأَيْتَ الَّذِينَ يَخُوضُونَ فِي الْأَيْتِنَا فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتَّىٰ يَخُوضُوا فِي حَدِيثٍ غَيْرِهِ﴾ [الانعام: ۶۸]

”اور جب آپ ان لوگوں کو دیکھیں جو ہماری آیت میں عیب جوئی کر رہے ہیں تو ان لوگوں سے کنارہ کش ہو جائیں یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں لگ جائیں۔“

آیت میں خطاب اگرچہ نبی ﷺ سے ہے لیکن مخاطب امت مسلمہ کا ہر فرد ہے۔ اور اسی طرح آیت میں اگرچہ ذکر اہل ذبیحہ و اہل ضلال اور ان کی مجالس میں بیٹھنے کی ممانعت کا ہے لیکن آیت کا حکم عام ہے جس میں ہر وہ مجلس شامل ہوگی جس میں اللہ و رسول ﷺ کے احکام کا زبان و بیان کے ذریعے سے یا عمل کے ذریعے سے انکار یا مذاق اُڑایا جا رہا ہو۔ عملی انکار یا مذاق میں شادی بیاہ کی وہ ساری تقریبات (مہندی، منگنی، بارات، ولیمہ وغیرہ) آجاتی ہیں جن میں غیر شرعی حرکات کا دھڑلے سے ارتکاب کیا جاتا ہے۔ اعاذنا اللہ منها۔

②..... خیر امت ہونے کے لیے بھلائی کا حکم دینا، برائی سے روکنا ضروری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ﴾

[آل عمران: ۱۱۰]

”تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے پیدا کی گئی ہے کہ تم نیک باتوں کا حکم کرتے ہو، بری باتوں سے روکتے ہو اور اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو۔“

اس آیت میں ”امت مسلمہ“ کو ”خیر امت“ (بہترین امت) قرار دیا ہے اور اس کی وجہ بھی بیان کر دی گئی ہے جو امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور ایمان باللہ ہے۔ گویا یہ امت اگر ان امتیازی خصوصیات سے متصف رہے گی تو ”بہترین امت“ ہے، یہ صورت دیگر اس امتیاز سے محروم قرار پاسکتی ہے۔ (جیسے وہ اس وقت دنیا میں ہے!)۔

اس کے بعد قرآن کریم میں اہل کتاب کی مذمت سے بھی اسی نکتے کی وضاحت مقصود معلوم ہوتی ہے کہ جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر نہیں کرے گا، وہ بھی اہل کتاب کے مشابہ قرار پائے گا۔ اہل کتاب کی صفت بیان کی گئی ہے:

﴿كَانُوا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُنْكَرٍ فَعَلُوهُ لَبِئْسَ مَا كَانُوا يَفْعَلُونَ﴾ [المائدة: ۷۹]

”آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں سے جو وہ کرتے تھے، روکتے نہ تھے جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا۔“ اور تفسیر آیت میں ان کی اکثریت کو فاسق کہا گیا ہے۔

قرآن مجید میں اس سے قبل ایک اور آیت میں فرمایا گیا ہے:

﴿وَلْتَكُنْ مِنْكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَأُولَئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ [آل عمران: ۱۰۴]

”تم میں سے ایک جماعت ایسی ہونی چاہیے جو بھلائی کی طرف لائے اور نیک کاموں کا حکم کرے اور برے کاموں سے روکے اور یہی لوگ فلاح و نجات پانے والے ہیں۔“

”منکر“ (برائی) سے جس طرح شرک و بدعات، فسق و فجور اور دیگر نافرمانی حوالے کام مراد ہیں، اسی طرح اس میں وہ ساری رسومات و خرافات بھی داخل ہیں جو اسلام کی تعلیمات کے یکسر خلاف ہیں اور زیر بحث شادی کی رسومات اسی قبیل (قسم) سے ہیں۔ ثانیاً: آیت میں ﴿وَمِنْكُمْ﴾ کے من کو تبغیضہ قرار دے کر کہا جاتا ہے کہ اگر ایک گروہ (بعض لوگ) امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ ادا کر لے گا تو سب کی طرف سے ادا ہو جائے گا یعنی یہ فریضہ فرض کفایہ ہے۔ لیکن آیت میں جو یہ کہا گیا ہے کہ ایسے لوگ ہی کامیاب ہیں۔ یہ الفاظ متقاضی ہیں کہ من کو تبغیضہ کے لیے مانا جائے کیوں کہ کامیابی تو ہر مسلمان کا مقصد ہے اور ہونا چاہیے۔

اس اعتبار سے یہ فریضہ ”فرض عین“ ہے یعنی ہر فرد اپنے اپنے دائرے اور اپنی اپنی طاقت کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرے، جیسے ((بلغوا عنی ولو آية)) کے تحت ہر شخص تبلیغ کا ذمہ دار ہے، واللہ اعلم بالصواب۔



ولیمے کا مسنون طریقہ اور غیر مسنون طریقے

حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

اس کے نزدیک اظہارِ مسرت میں بھی اعتدال (حد سے تجاوز) اور اسراف (فضول خرچی) ناپسندیدہ ہے۔
 ﴿إِنَّ الْمُبْتَذِرِينَ كَانُوا إِخْوَانَ الشَّيَاطِينِ﴾ (الاسراء: ۲۷)
 ”یقیناً فضول خرچی کرنے والے شیطانوں کے بھائی ہیں۔“
 علاوہ ازیں تقاضا اور شان و شوکت کا بے جا اظہار بھی اسلام کی نظر میں مذموم ہے۔

اس اعتبار سے ولیمہ جب سنت ہے، و نیادی رسم نہیں تو اسے کرنا بھی اسی طرح چاہیے جس میں اسلامی ہدایات سے انحراف نہ ہو جب کہ ہمارے ہاں اس کے برعکس ولیمہ بھی اس طرح کیا جاتا ہے کہ وہ بھی شادی بیاہ کی دیگر رسوم کی طرح بہت سی خرابیوں کا مجموعہ بن کر رہ گیا ہے، مثلاً:

- ۱: ولیمے میں بارات سے بھی زیادہ ہجوم اکٹھا کیا جاتا ہے۔
- ۲: حسب استطاعت زیادہ سے زیادہ انواع و اقسام کے کھانوں کا اہتمام کر لیا جاتا ہے۔
- ۳: اپنی امارت اور شان و شوکت کا اظہار کیا جاتا ہے۔
- ۴: غرباء کی شرکت کو ناپسندیدہ اور اپنے مقام و مرتبہ کے خلاف سمجھا جاتا ہے۔
- ۵: جس کے پاس وسائل نہ ہوں یا بہت کم ہوں، وہ بھی قرض لے کر اپنی استطاعت سے بڑھ کر ولیمہ کرتا ہے۔
- ۶: دیسے میں بھی بے پردگی کا طوفان آیا ہوتا ہے اور اس پر مزید یہ کہ مودی فلم کے ذریعے سے مردوں کے علاوہ تمام خواتین کی حرکات کو بھی محفوظ کیا جاتا ہے اور دونوں خاندانوں میں اس کو ذوق و شوق سے دیکھا جاتا ہے

شادی کی تقریبات میں ولیمہ ایک ایسا عمل ہے جو مسنون ہے، یعنی نبی ﷺ نے اس کا حکم دیا ہے اور آپ ﷺ نے خود بھی اپنی شادیوں کا ولیمہ کیا ہے۔ اس کا سب سے بڑا مقصد اللہ کا شکر ادا کرنا ہے کہ اللہ نے زندگی کے ایک نہایت اہم اور بے موز پر مدد فرمائی اور اسے ایک ایسا رفیق حیات اور رفیق سفر عطا فرمادیا جو اس کے لیے تفریق طبع اور تسکین خاطر کا باعث بھی ہوگا اور زندگی کے نشیب و فراز میں اس کا ہم دم، ہم درد اور مددگار بھی۔

اور اللہ کا شکر ادا کرنے کا ایک طریقہ اسلام میں یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ اطعام طعام (کھلانے پلانے) کا اہتمام کیا جائے۔ اولاد اللہ کی نعمت ہے، اس کے ملنے پر حکم ہے کہ جانور قربان کرو اور خود بھی کھاؤ اور دوسروں کو بھی کھاؤ۔ اولاد میں لڑکے کی ولادت پر زیادہ خوشی محسوس ہوتی ہے، اس لیے اس کی ولادت پر دو جانور ذبح کرنے کا حکم ہے، یعنی بہ قدر مسرت اطعام طعام۔ لڑکی بھی اللہ کی نعمت ہے، اس کی ولادت پر زمانہ جاہلیت کی طرح غم و اندہہ کا اظہار نہیں کرنا بلکہ اظہار مسرت ہی کرنا ہے، گولڑے کے مقابلے میں کم ہی سہی، اس لیے ایک جانور قربان کر دو۔

نکاح بھی نوجوان جوڑے کے لیے بلکہ دونوں خاندانوں کے لیے بھی خوشی کا ایک موقع ہے، اللہ نے دونوں خاندانوں کو ایک نہایت اہم فیصلے کی ادائیگی سے نواز دیا اور نوجوان جوڑے کے لیے بھی خوشی کا موقع ہے کہ دونوں کو ایک دوسرے کا جیون ساتھی میسر آ گیا ہے جو ایک دوسرے کے دکھ درد میں بھی شریک ہوگا اور شاہراہ زندگی میں ایک دوسرے کا ہم سفر بھی۔ لیکن اسلام زندگی کے ہر معاملے میں اعتدال اور میانہ روی کا قائل ہے اور حد سے تجاوز کو ناپسند کرتا ہے، اس لیے

ولیسے کے بارے میں اسلامی ہدایات:

حالانکہ اسلامی ہدایات کی رو سے مذکورہ سب باتیں غلط ہیں۔ اس لیے دعوت ولیمہ میں بھی اصلاح کی اور اپنے رویوں میں تبدیلی کی شدید ضرورت ہے۔ اسلامی تعلیمات میں ہمیں اس کی بابت جو ہدایات ملتی ہیں ان سے حسب ذیل چیزوں کا اثبات ہوتا ہے:

①..... اسراف اور فضول خرچی سے بچا جائے، سادہ اور مختصر ولیمہ ہو، سارے خاندان اور دوست احباب کو اکٹھا کرنا ضروری نہیں ہے۔ عہد نبوی میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اپنے بیٹوں، بیٹیوں کی شادیاں کرتے تھے لیکن دعوت ولیمہ وغیرہ میں کسی بڑے اجتماع کا کوئی ثبوت نہیں ملتا۔ حتیٰ کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ خصوصی قربت کا تعلق رکھتے تھے خود اپنی شادی میں رسول اللہ ﷺ تک کو مدعو نہیں کیا کرتے تھے۔ جیسے حضرت عبدالرحمان بن عوف رضی اللہ عنہ کی شادی ہوئی تو رسول اللہ ﷺ نے ان کے لباس پر زرو دی دیکھی تو ان سے پوچھا: یہ کیا ہے؟ انھوں نے کہا: میں نے کھجور کی ایک گھٹلی کے وزن کے برابر سونے پر ایک خاتون سے شادی کر لی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

((اولم ولو بشاة۔))

(صحیح بخاری، رقم: ۵۱۵۳، ۵۱۵۵)

”ولیمہ کرو (اگر زیادہ استطاعت نہ ہو تو) ایک بکری ہی کا کر دو۔“

خیر سے واپسی پر جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو آزاد کر کے اپنے حوالہ عقد میں لے لیا تو راستے ہی میں مدینہ منیچے سے قبل ہی آپ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے خلوت فرمائی اور صبح کو آپ ﷺ نے ولیمہ کیا جس میں کھجور، پنیر اور گھی کا ملیدہ بنا کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی تواضع کی گئی، نہ گوشت تھا اور نہ روٹی۔ یہ چونکہ سفر کا واقعہ ہے، مجاہد صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت آپ ﷺ کے ساتھ تھی جو خیر میں آباد بیودیوں سے جہاد کرنے کے لیے آپ کے ساتھ گئی تھی تو آپ

ﷺ نے اس میں ان سب کو شریک فرمایا۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۵۱۵۹)

یہ ولیمہ بھی رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے تعاون سے کیا تھا، چونکہ آپ ﷺ سمیت سب سفر میں تھے، آپ ﷺ خیر فتح کر کے مدینہ واپس آ رہے تھے، راستے میں آپ ﷺ نے یہ نکاح فرمایا تھا اور شب باشی کے بعد آپ ﷺ نے صحیح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا:

((من كان عنده شيء فليخى به۔))

(صحیح بخاری، رقم: ۳۷۱)

”جس کے پاس جو چیز بھی ہے، وہ لے آئے۔“

آپ ﷺ نے چمڑے کا ایک دسترخوان بچھا دیا، کوئی کھجور لے آیا، کوئی گھی (اور کوئی پنیر) لے آیا اور بعض سنو، ان سب کو ملا کر ملیدہ بنالیا گیا، یہی رسول اللہ ﷺ کے دلیسے کا کھانا تھا۔

رسول اللہ ﷺ کا سب سے گراں ولیمہ وہ تھا جو آپ ﷺ نے حضرت زینب رضی اللہ عنہا سے نکاح کے بعد کیا تھا، اس میں آپ ﷺ نے گوشت روٹی کا اہتمام فرمایا تھا۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۱۳۲۸)

ان واقعات سے معلوم ہوا کہ ولیمہ میں نہ زیادہ ہجوم جمع کرنے کی ضرورت ہے اور نہ پُر تکلف انواع و اقسام کے کھانوں اور ڈشوں کی تھوڑے سے افراد کو بلایا جائے اور گھر ہی میں ان کی خاطر تواضع کر دی جائے اسی طرح شادی ہال وغیرہ کی ضرورت ہی پیش نہیں آئے گی۔ اپنی امارت اور شان و شوکت کے اظہار کی بھی ضرورت نہیں ہے، اللہ نے دنیاوی وسائل سے نوازا ہے تو اسے ان ضرورتوں پر خرچ کیا جائے جن کی معاشرے میں ضرورت ہے، اللہ کے دین کی نشر و اشاعت اور اللہ کے دین کے داعیوں اور محافطوں پر خرچ کیا جائے، جہاد اور مجاہدین پر خرچ کیا جائے، غلیٰ مذا القیاس۔ ولیمہ وغیرہ کی دعوتوں میں اسراف و تبذیر کا مظاہرہ کر کے کم وسائل والے افراد کے اندر احساس محرومی پیدا نہ کیا جائے۔

②..... رسول اللہ ﷺ نے خیر سے واپسی پر راستے میں جو ولیمہ کیا تھا، وہ مسلمانوں کے باہمی تعاون سے ہوا تھا، جیسا کہ اس کی

قبول نہیں کی، اس نے اللہ عزوجل اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔“
ایک اور حدیث ہے جس میں نبیوں ہی کو کھلانے کی ترغیب دی گئی ہے، فرمایا:

((لا تصاحب إلا مؤمنا ، ولا يأكل طعامك

إلا تقى)) (سنن ابی داود ، رقم: ۴۸۳۲)

”دوست اور ساتھی مومن ہی کو بناؤ اور تمہارا کھانا بھی سوائے متقی کے اور کوئی نہ کھائے۔“

⑤..... اور پر حدیث گزری ہے کہ جس نے دعوت قبول نہیں کی، اس نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی، اس سے معلوم ہوا کہ دعوت قبول کرنا، چاہے وہ ویسے ہی کو یا عام دعوت، ضروری ہے۔ حتیٰ کہ اگر کسی نے نفلی روزہ رکھا ہو ہے تو اس کو بھی اجازت دی گئی ہے کہ وہ نفلی روزہ توڑ لے اور دعوت میں شریک ہو جائے، بالخصوص جب دعوت کرنے والا اصرار کرے۔ اگر اصرار نہ کرے تو روزے دار کی مرضی ہے کہ روزہ توڑے یا نہ توڑے، روزہ نہ توڑے تو دعوت کرنے والے کے حق میں دعائے خیر کر دے۔ (صحیح مسلم، حدیث: ۱۳۳۱)

⑥..... اگر نفلی روزہ توڑ کر دعوت کھائی جائے تو اس نفلی روزے کی قضا ضروری نہیں۔ نبی ﷺ ایک دعوت میں تشریف فرما تھے، صحابہ کی ایک جماعت بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھی، جب کھانا شروع ہوا تو ایک شخص الگ ہو کر ایک طرف بیٹھ گیا، نبی ﷺ کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ وہ نفلی روزے سے ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

((أفطر وضم يوما مكانه إن شئت))

(ارواء الغلیل: ۷/۱۱، ۱۲)
”تم دعوت کھاؤ، اگر چاہو تو بعد میں اس کی جگہ روزہ رکھ لینا۔“
حافظ ابن حجر اور شیخ البانی رحمہما نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔

تفصیل گزری۔ اس سے معلوم ہوا کہ اس معاملے میں اصحاب ثروت لوگوں کو بے وسیلہ لوگوں کے ساتھ محض رضائے الہی کی خاطر تعاون کرنا چاہیے، ان کو حالات کے رحم و کرم پر چھوڑ دینا عند اللہ ناپسندیدہ روش ہے۔

⑦..... ولیمہ گوشت کے بغیر دوسری چیزوں سے بھی کیا جاسکتا ہے، جیسا کہ رسول اللہ ﷺ کے مذکور بالا ویسے میں ہوا۔

⑧..... ویسے میں محض رشتے داریوں اور دوستانہ تعلقات کی بنیاد ہی پر نہ بلایا جائے بلکہ نیک لوگوں کو بھی شریک کیا جائے، اسی طرح غرباء و مساکین کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے۔ جس ویسے میں محض اغنیاء ہی شریک ہوں، اسے نبی ﷺ نے ”شر الطعام“ (بدترین کھانا) قرار دیا ہے۔ صحیح بخاری میں موقوفاً حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ کہا کرتے تھے:

”شر الطعام طعام الولیمة ، یدعی لها الا غنیاء و یتروک الفقراء .“

(صحیح بخاری، رقم: ۵۱۷۷)
”بدترین کھانا ویسے کا وہ کھانا ہے جس میں مال داروں کو بلایا جائے اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے۔“

حافظ ابن حجر نے کہا ہے کہ یہ قول مرفوع کے حکم میں ہے۔ (فتح الباری) اس کی تائید صحیح مسلم کی روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

((شر الطعام طعام الولیمة ، یمنعها من یأتیها و یدعی إلیها من یأبأها ، و من لم یجب الدعوة فقد عصی اللہ عزوجل و رسولہ))

(صحیح مسلم، رقم: ۱۴۳۲)
”بدترین کھانا ویسے کا وہ کھانا ہے جس میں ان (غرباء) کو تو روک دیا جائے جو اس میں آتے ہیں اور ان کو بلایا جاتا ہے جو اس میں آنے سے انکار کرتے ہیں۔ اور جس نے دعوت

معصیت والی دعوت میں شریک ہونے کی اجازت نہیں:

دعوت قبول کرنے کی اتنی تاکید کے باوجود شرعی دلائل سے یہ واضح ہوتا ہے کہ جس دعوت میں یا دعوت والے گھر میں اللہ کی نافرمانی کا ارتکاب ہو یا وہاں معصیت والی چیز ہو تو اس دعوت میں اس شخص کا شریک ہونا ناجائز ہے جو اس صاحب دعوت کے ہاں اتنے اثر و رسوخ کا حامل ہو کہ وہ معصیت کاری رکواسکتا ہو تو اس کو شریک ہو کر اس کو رکوانے کا فریضہ سرانجام دینا چاہیے اور جو شخص ایسی پوزیشن کا حامل نہ ہو، اگر اس کے علم میں پہلے سے یہ بات ہو کہ وہاں فلاں فلاں معصیت کا ارتکاب ضرور ہوگا، جیسے آج کل میوزک، ویڈیو، بے پردگی جیسی معصیتیں عام ہو گئی ہیں تو اس کا اس دعوت میں جانے کے بجائے اس کا بایکات کرنا ضروری ہے اور اگر پہلے اس کے علم میں نہیں تھا، وہاں جا کر دیکھا کہ وہاں ان شیطانی کاموں کا اہتمام ہے تو اس میں شرکت نہ کرے اور واپس آجائے۔ اگر ان معصیت کاریوں کے باوجود وہ شریک ہوگا تو وہ بھی گناہ گار ہوگا۔ بالخصوص اصحاب علم و فضل کی اس قسم کے اجتماعات میں شرکت بہت برا جرم ہے، ان کی شرکت ان معصیت کاریوں کی حوصلہ افزائی کا باعث ہے۔

رسول اللہ ﷺ تو تصویر والا پردہ دیکھ کر بھی دعوت کھائے بغیر واپس آجاتے تھے:

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے ایک روز کھانا تیار کیا اور رسول اللہ ﷺ کو دعوت دی، آپ ﷺ تشریف لائے تو گھر میں تصاویر دیکھ کر واپس چلے گئے: حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کہا: میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، آپ ﷺ کو کس چیز نے واپس ہونے پر مجبور کر دیا؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

”گھر میں ایک تصویروں والا پردہ ہے اور جس گھر میں

تصویریں ہوں اس میں فرشتے داخل نہیں ہوتے۔“ (سنن

ابن ماجہ وسند الیٰ علی بحوالہ ”آداب الزفاف“ از البانی: ص: ۷۷)

رسول اللہ ﷺ نے تو ایک مرتبہ خود اپنے گھر یعنی حضرت عائشہ

رضی اللہ عنہا کے گھر میں دروازے پر ایک تصویر والا پردہ لٹکا ہوا دیکھا تو آپ ﷺ نے اندر داخل ہونا پسند نہیں فرمایا، جس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے معذرت کی۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۵۹۶۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل بھی یہی تھا:

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں جب شام تشریف لے گئے تو شام کے ایک نہایت معزز عیسائی نے آپ رضی اللہ عنہ کی اور آپ رضی اللہ عنہ کے ساتھ جو لوگ تھے ان کی دعوت کرنے کی خواہش کا اظہار کیا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

”إننا لا ندخل كنائسكم من أجل الصور التي فيها.“ (سنن بیہقی: ۷/۲۶۸ بحوالہ ”آداب

الزفاف“، ص: ۸۰)

”تمہارے گرجوں میں تصویریں ہوتی ہیں اس لیے ہم وہاں نہیں آسکتے۔“

حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ کا واقعہ ہے، ان کی ایک شخص نے دعوت کی، انھوں نے اس سے پوچھا گھر میں کوئی تصویر ہے؟ اس نے کہا: ہاں۔ آپ نے تصویر کو توڑنے تک گھر میں داخل ہونے سے انکار کر دیا جب تصویر کو توڑ دیا گیا تو پھر آپ رضی اللہ عنہ داخل ہوئے۔

(سنن بیہقی بحوالہ آداب الزفاف، ص: ۸۱)

امام اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

”لا ندخل ولبعة فيها طبل ولا معزاف.“

(آداب الزفاف للالبانی، ص: ۸۱)

”ہم اس ویسے میں شریک نہیں ہوتے جس میں ڈھول

تماشے یا گانے بجانے کے کوئی آلات ہوں۔“

دعوت کھلانے والے کے لیے دعا:

نبی ﷺ نے متعدد مواقع پر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہاں کچھ کھایا پیا تو آپ ﷺ نے ان کے حق میں دعائے خیر فرمائی، اس سلسلے میں آپ ﷺ سے تین دعائیں منقول ہیں جو آپ ﷺ نے مختلف اوقات میں

دوسرے روز بھی ضروری نہیں بلکہ دو تین دن کے وقفے کے بعد بھی جائز ہے۔

علامہ ازیں ویسے سے قیل خلوت صحیح بھی ضروری ہے یا نہیں یا اس کے بغیر بھی ولیمہ جائز ہے؟ بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ ہم بستر سے پہلے ولیمہ جائز نہیں ہے، لیکن ایسا سمجھنا صحیح نہیں ہے کیوں کہ بعض دفعہ پہلی رات کو جب خلوت میں میاں بیوی کی ملاقات ہوتی ہے تو عورت کے حیض کے ایام ہو جاتے ہیں، اس لیے ایسی حالت میں ہم بستر پر نہیں ہو سکتے، نیز کسی اور وجہ سے بھی بعض دفعہ ہم بستر پر نہیں ہو پاتی۔ اس لیے ویسے کی صحت کے لیے ہم بستر کو لازم خیال کرنا صحیح نہیں ہے، مخصوص قسم کے حالات میں اس کے بغیر بھی ولیمہ صحیح ہوگا، واللہ اعلم۔

شادی کی چند اور ناجائز رسومات

انگریزی زبان میں شادی کا رڈ:

شادی بیاہ کی رسومات یا از خود پیدا کردہ ضروریات میں سے ایک رسم یا ایک ضرورت ”شادی کا رڈ“ بھی ہے جس کے ذریعے سے اہل خاندان اور دوست احباب کو شادی (اور مہندی وغیرہ) میں مدعو کیا جاتا ہے۔ پہلے یہ ضرورت ایک پوسٹ کارڈ یا زبانی دعوت سے پوری ہو جاتی تھی۔ اب یہ شادی کا رڈ بھی شادی کا ایک ناگزیر حصہ ہے۔

اس کی وجہ بھی شادیوں میں زیادہ سے زیادہ جہوم جمع کرنے ہی کا جذبہ ہے۔ اگر نکاح کی تقریب اور ویسے کی دعوت مختصر ہو، خاندان کے چند ضروری افراد اور صرف بعض احباب ہی ان میں شریک ہوں تو ظاہر بات ہے کہ پھر خصوصی دعوت ناموں اور شادی کارڈوں کی ضرورت ہی پیش نہ آئے۔ لیکن چونکہ یہ سادگی اور اختصار اب کسی کو پسند نہیں ہے، اس لیے شادی کا رڈ چھپوائے بغیر بھی چارہ نہیں۔ اس لیے اصل ضرورت شادی بیاہ کی تقریبات کا جہوم مختصر کرنے کی ہے، اگر لوگ اس کو اختیار کر لیں تو بہت سی قباہتوں کے ساتھ شادی کا رڈ سے بھی بچنا ممکن ہے، بہ صورت دیگر کم از کم اس میں فضول خرچی سے

صاحب خانہ کے لیے فرمائیں:

①..... ((اللَّهُمَّ بَارِكْ لَهُمْ فِي مَازَزَقَهُمْ، وَآخِرُ لَهُمْ وَآرَحَهُمْ.)) (صحیح مسلم،

رقم: ۲۰۴۲، سنن ابی داود، رقم: ۳۷۲۹)

”اے اللہ! ان کو جو کچھ تُو نے دیا ہے اس میں برکت عطا فرما، ان کی مغفرت فرما اور ان پر رحم فرما۔“

②..... ((اللَّهُمَّ أَطْعِمْ مَنْ أَطْعَمَنِي وَاسْقِ مَنْ سَقَانِي.)) (صحیح مسلم، رقم: ۲۰۵۵)

”اے اللہ! جنھوں نے مجھے کھلایا تو اے کھلا اور جس نے مجھے پلایا تو اسے پلا۔“

③..... ((أَفْطَرْ عِنْدَكُمْ الصَّائِمُونَ وَأَكَلْ طَعَامَكُمْ الْأَبْرَارُ وَصَلَّتْ عَلَيْكُمْ الْمَلَائِكَةُ.))

”روزے دار تمھارے پاس روزے کھولتے رہیں، نیک لوگ تمھارا کھانا کھاتے رہیں اور فرشتے تمھارے لیے۔“

دعائے خیر کرتے رہیں۔“

دولہا کے لیے خصوصی دعا:

دولہا کو خاص طور پر ان الفاظ میں دعا دی جائے:

((بَارَكَ اللَّهُ لَكَ وَبَارَكَ عَلَيْكَ وَجَمَعَ بَيْنَكُمَا فِي خَيْرٍ.)) (سنن ابی داود، رقم: ۱۱۳۰)

”اللہ تعالیٰ تمھیں برکت دے اور تم پر اپنی برکت فرمائے اور تم دونوں کو خیر کے ساتھ اکٹھا رکھے۔“

ولیمہ کب کیا جائے؟

حضرت زینب بنت جحش اور حضرت صفیہ رضی اللہ عنہما دونوں کے ساتھ نکاح کے بعد جب رسول اللہ ﷺ نے خلوت فرمائی تو احادیث میں صراحت ہے کہ اس کے بعد دوسرے دن آپ ﷺ نے ولیمہ کی دعوت کی۔ اس سے اسی بات کا اثبات ہوتا ہے کہ ولیمہ نکاح سے پہلے نہیں بلکہ نکاح کے بعد ہونا چاہیے۔ البتہ شب باقی کے بعد

تو ضرور اجتناب کیا جائے، یعنی شادی کا رد مختصر اور سادہ چھپوائے جائیں، انھیں زیادہ سے زیادہ خوب صورت اور دیدہ زیب بنانے کے لیے گراں سے گراں تر نہ کیا جائے۔ اس طرح کے گراں قیمت شادی کا رد سراسر افساد و فضول فرجی ہیں جن کو کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔

ایک اور بے ہودگی شادی کا رد میں یہ چل پڑی ہے کہ اپنی قوی زبان آورد کی بجائے اسلام اور مسلمانوں کے شدید دشمن انگریزوں کی زبان میں چھپوائے جانے لگے ہیں۔ یہ بھی ایک چلتا ہوا فیشن اور مقبول عام رجحان ہے۔ حالانکہ مسلمانوں کو تو یہودیوں اور عیسائیوں سے بغض و عداوت رکھنے کا حکم ہے نہ کہ دوستی اور محبت رکھنے کا۔ اور اپنی گھریلو قسم کی معاشرتی تقریبات میں مدعو کرنے کے لیے بھی ہم دعوت نامے انگریزی زبان میں چھپوائیں تو یہ اپنے دشمنوں سے، جن کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کا دشمن قرار دیا ہے، محبت کا اظہار ہے یا نفرت کا؟ کیا اس طرح ہم اللہ تعالیٰ کے حکم کو نہایت دیدہ دلیری سے پامال نہیں کر رہے ہیں؟

کہا جاتا ہے کہ انگریزی زبان بین الاقوامی اور سائنس و ٹیکنالوجی کی زبان ہے، اس لیے اسے سیکھے بغیر چارہ نہیں، ٹھیک ہے اس وقت بد قسمتی اور ہم مسلمانوں کی کمزوری کی وجہ سے اس کی یہ اہمیت مسلم اور اس کا سیکھنا جائز بلکہ حکومتی پالیسی کی وجہ سے سب معاش کے لیے اس کا سیکھنا ضروری ہے۔ لیکن حکومتوں کی مسلط کردہ پالیسی یاد گیر و بیوی ضروریات کے لیے انگریزی زبان کا سیکھنا اور چیز ہے اور اس سے محبت رکھنا اور چیز ہے۔ پہلی بات یقیناً جائز ہے، ”الضرورات تبیح المحظورات“ سرور تین ناجائز کاموں کو بھی جائز کر دیتی ہیں (فقہی اصول ہے۔ اسی لیے کوئی عالم انگریزی زبان کے پڑھنے، سیکھنے بلکہ اس میں مہارت حاصل کرنے کو ناجائز نہیں کہتا، لیکن دوسری بات یعنی اس سے محبت رکھنا، اسے اپنا اوڑھنا بچھونا بنالینا اور اپنی قوی زبان پر اسے ترجیح دینا اس کا قطعاً کوئی جواز نہیں ہے۔ یہ تو بی غیرت کے بھی خلاف ہے اور شرعی لحاظ سے بھی حرام اور ناجائز۔

انگریزی میں دعوت نامہ چھپوانا، کسی بھی پاکستانی کی بین الاقوامی ضرورت نہیں ہے، جو پاکستانی ایسا کرتا ہے، وہ قوی بے غیرتی کا بھی مظاہرہ کرتا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے دشمنوں سے محبت کا اظہار بھی۔ اسے اس کا شعور ہو یا نہ ہو۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ یوں وہ قوی جرم کا بھی ارتکاب کرتا ہے اور حکم الہی کی پامالی کا ارتکاب بھی۔ اعاذنا اللہ منہ۔

یہ مسئلہ شرعی لحاظ سے، عقیدہ الولاء والبراء کے تحت، جتنا اہم ہے، افسوس ہے کہ علماء کے طبقے میں بھی اس کا احساس نہیں ہے، اس لیے وہ بھی انگریزی کا ردوں پر کسی قسم کی ناگواری کا اظہار نہیں کرتے۔ فنانا للہ وانا الیہ راجعون۔

رات کو شادیوں کا انعقاد:

ایک اور نہایت قبیح رواج، جو دیگر سومات کی طرح بہت عام ہو گیا ہے، شادی کی تقریب رات کو کرنا ہے۔ اس میں بھی غالباً یہ شیطانی فلسفہ کارفرما معلوم ہوتا ہے کہ رات کے اندھیرے میں بجلی کے قہقے اور چراغاں جو بہار دکھاتے ہیں، وہ دن کی روشنی میں ممکن نہیں۔ اسی طرح آتش بازی کا سماں بھی رات کی تاریکی ہی میں بندھتا ہے اور آتشیں پناخوں کے نہایت خوف ناک دھماکے بھی رات ہی کو اہل محلہ کی نیندوں کو خراب کرتے ہیں۔ دن کے شور و شغب میں یہ دھماکے کسی کے آرام و راحت میں زیادہ خلل انداز نہیں ہوتے اور ہم اخلاقی پستی کی جس اتھاہ گہرائی میں جا چکے ہیں، اس کا تقاضا ہے کہ جب تک ہم اہل محلہ کے آرام و سکون کو برباد نہ کر لیں، ہماری خوشی کی تقریب مکمل نہیں ہو سکتی۔ یعنی ہمیں دوسروں کے سکون و آرام کو برباد کرنے میں راحت محسوس ہوتی ہے، ورنہ جس قوم کی اخلاقی حس زندہ اور بیدار ہو وہ کبھی اتنی اخلاقی پستی کا مظاہرہ نہیں کر سکتی جس طرح ہماری قوم کرتی ہے۔ رات کے دو بجے بارات واپس آتی ہے تو آتشیں پناخوں کے دھماکوں سے سارے محلے کے لوگوں کی نیندیں خراب کر دی جاتی ہیں۔

سالہا سال سے اخلاقی پستی کے یہ مظاہر ہم دیکھتے آرہے ہیں، البتہ اب چند سالوں سے حکومت پنجاب نے شادی ہالوں کے لیے رات کے دس بجے تک بند کرنے کی پابندی عائد کر رکھی ہے جس کے نتیجے میں اصلاح کے کچھ آثار نظر آرہے ہیں بلکہ راتوں اور دلیوں سے لوگ گیارہ بجے تک فارغ ہو جاتے ہیں، ورنہ اس سے پہلے جو صورت حال تھی وہ ہمارے اخلاقی زوال کی نوحدہ کھان تھی۔

ملاوہ ازیں رات کی ان تقریبات میں وقت کا جو ضیاع ہوتا تھا، وہ بھی ہماری اس قوم کی بے فکری، بے شعوری اور اخلاقیات سے عاری ہونے کی غمازی کرتا تھا۔ کارڈوں پر آٹھ یا نو بجے کا وقت لکھا ہوتا تھا، لیکن نکاح یا ویسے کی تقریب کا آغاز رات کے بارہ بجے یا ایک بجے سے پہلے نہ ہوتا۔

ذرا سوچیے! یہ رواج یا عادت یا رسم اچھی ہے یا بری؟ اس میں اخلاقی ذمے داری کا احساس پایا جاتا ہے یا اس سے خوف ناک؟ ان لوگوں کی کوفت، تکلیف اور ضیاع وقت کا ذرا تصور کیجیے جو دعوت نامے کے مطابق وقت پر تشریف لے آتے ہیں، لیکن انھیں ان لوگوں کے انتظار میں جو تین یا چار گھنٹے تاخیر سے آتے ہیں، تین یا چار گھنٹے انتظار کی سولی پر لٹکائے رکھا جاتا ہے۔

حالانکہ سوچنے کی بات ہے کہ وقت پر آنے والے سزا کے مستحق ہیں یا غیر معمولی تاخیر سے آنے والے؟ لیکن ہمارے ہاں الٹی لنگاہی رہی ہے۔ کئی کئی گھنٹے تاخیر سے آنے والوں کی سزا، وقت کا ضیاع اور "الانتظار اشد من الموت" کے کرب و قلق کی صورت میں وقت پر آنے والوں کو بھگتنی پڑتی ہے، ان سب پر مستزاد یہ کہ رات کو اتنی تاخیر سے سونے کے بعد فجر کی نماز کے لیے اٹھنا بھی ناممکن سا ہے، گویا نماز فجر بھی ضائع ہو جاتی ہے۔ اسی طرح اتنی تاخیر سے واپسی پر ان لوگوں کو پریشانی ہوتی ہے جن کے پاس اپنی سواری نہیں ہوتی۔ نیز رات کی تاریکی میں ڈاکوؤں اور لیروں کے ہتھے چڑھ جانے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

بہر حال جس لحاظ سے بھی دیکھا جائے راتوں کی ان تقریبات کا

انفعاذ غیر صحیح ہے، کم از کم دین دار حضرات کو اس فتنہ رواج اور رسم سے سختی سے بچنا چاہیے، کیوں کہ نبی کریم ﷺ کی بابت آتا ہے کہ آپ ﷺ کورات کو عشاء سے قبل سونا اور عشاء کے بعد باتیں کرتے رہنا ناپسند تھا۔ (صحیح بخاری، حدیث: ۵۶۸)

اس حدیث کی روشنی میں بھی اگر دوسری باتوں کو نظر انداز کر دیا جائے تو راتوں کو شادی کی تقریبات کا کوئی جواز نہیں رہتا۔ رات سے مراد عشاء کے بعد ہے، ورنہ عشاء سے پہلے اس کا جواز ہے جیسا کہ آگے آرہا ہے۔

رات کے وقت شادی کا صحیح طریقہ:

چراغاں اور آتش بازی وغیرہ رسومات سے بچتے ہوئے، اگر نکاح، خاطر تواضع اور خوشی کی ساری کارروائی وقت کی پابندی کرتے ہوئے مغرب کے فوراً بعد سے لے کر عشاء کے وقت تک کر لی جائے تو پھر چونکہ مذکورہ قباحتیں پیدا نہیں ہوں گی۔ اس لیے رات کے پہلے پہر میں ان تقریبات کے جواز میں شک کی گنجائش نہیں۔

لیکن ایسا ہی وقت ہو سکتا ہے جب دونوں خاندانوں کے دلوں میں ایک تو نبی اکرم ﷺ کے طرز عمل کی پابیت ہو، اتباع سنت کا سچا جذبہ ہو۔ دوسرے وقت کی قدر و قیمت کا احساس اور مقررہ وقت کے اندر ساری کارروائی کرنے کا عزم راسخ ہو۔ مہمانوں کے وقت پر نہ آنے کی پروا نہ کی جائے، بلکہ جو لوگ وقت پر آجائیں، چاہے وہ بالکل تھوڑے ہی ہوں، ان کی موجودگی میں نکاح یا ویسے کا آغاز کر دیا جائے اور تاخیر سے آنے والوں کی مہمان نوازی سے معذرت کر لی جائے۔

جب تک لومۃ لائم کے خوف کے بغیر اس جرأت و ہمت کا مظاہرہ نہیں کیا جائے گا، وقت کے ضیاع کو روکنا بھی ممکن نہیں ہے اور اسوۂ رسول کی بے پردی بھی نہایت مشکل ہے۔

حکومت پنجاب کا ایک اصلاحی اقدام مگر؟

اب اگرچہ کچھ عرصے سے پنجاب حکومت کی طرف سے شادی

افراد نے اطمینان دیکھ کر یہ کیا تھا۔

مذکورہ آرڈی نینس کی دفعات کا خلاصہ

دفعہ ۴۰ (۱)

کسی شخص کو اپنی یا کسی اور کی شادی کی تقریب میں، جو ہفتوں، ریٹائرمنٹوں، شادی ہال یا کمیونٹی سنٹر میں منعقد ہو رہی ہو، شرکت کرنے والوں کے لیے صرف شرویات کے علاوہ کھانا پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔

دفعہ ۵:

وہ شخص جو ہٹل، ریٹائرمنٹ، شادی ہال، کمیونٹی سنٹر کا مالک یا مینیجر ہو، انھیں شادی کی تقریب میں شرکت کرنے والوں کے لیے کھانا، طعام وغیرہ پیش کرنے کی اجازت نہ ہوگی۔ مہمانوں کی تواضع شرویات سے کی جائے گی۔

دفعہ ۶:

جو شخص ان احکام کی خلاف ورزی کرے گا، وہ قابل سزا مجرم ہوگا۔ انھیں ایک ماہ کی قید محض یا جرمانے کی سزا دی جائے گی۔ جو کہ ایک لاکھ سے کم اور پانچ لاکھ سے زیادہ نہ ہوگا۔

اس آرڈی نینس کے تحت یہ جرائم قابل دست اندازی پولیس نہیں ہوں گے۔

ضروری وضاحت:

اس آرڈی نینس کو سپریم کورٹ اور وفاقی شرعی عدالت میں چیلنج کیا گیا تھا۔ شرعی عدالت نے اپنے طریقہ کار کے مطابق علمائے کرام اور اپنے فقہی مشیران سے اس کی بابت رائے طلب کی۔ لیکن قبل اس کے کہ شرعی عدالت علماء کی آراء کی روشنی میں اس پر بحث کرتی اور شرعی فیصلہ کرتی، سپریم کورٹ نے اس کے خلاف فیصلہ صادر کر دیا اور یہ کالعدم ہو گیا۔ راقم نے اس آرڈی نینس کی حمایت میں شرعی عدالت میں پیش کرنے کے لیے ایک بیان مرتب کیا تھا، بعد ازاں فیصلے کی وجہ سے اسے پیش کرنے کا موقع ہی نہیں آیا۔ (جاری ہے)

ہالوں کے لیے رات کے دس بجے تک کا وقت مقرر کر دیا گیا ہے جس پر بہت حد تک عمل ہو رہا ہے۔ اس سے بہت سی قابحتوں کا تذکرہ اور وقت کا ضیاع بھی کم ہوا ہے، لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک تو اس کو پورے ملک میں نافذ کیا جائے۔ اس وقت یہ پابندی صرف پنجاب میں ہے۔ دوسرے اس قانون کو قانون سازی کے ذریعے سے مستقل کیا جائے فی الحال یہ پابندی عارضی ہے، اس میں مہینہ وار توسیع کی جارہی ہے کیوں کہ ہماری قوم میں بگاڑ جس طرح عام ہو گیا ہے اور خدا خونی کا فقدان اور دین سے بے اعتنائی فزوں تر ہے اس سے شدید خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ حکومت کا یہ مفید اقدام پانہیں کب ختم ہو جائے اور قوم پھر اسی بے اعتدالی کا شکار ہو جائے جس میں وہ نہ صرف یہ کہ سالہا سال سے مبتلا چلی آ رہی ہے، بلکہ وہ اس کی رگ و پے میں سرایت کر گئی ہے۔ جیسے اس سے قبل ۲۰۰۰ء میں نواز شریف کے جاری کردہ شادی آرڈیننس کا کچھ عرصے بعد حشر ہوا کہ وہ نہایت مفید ہوتے ہوئے عوام کو خواص نے اسے اپنانے سے گریز کیا، مغربوں نے اگرچہ اس پر سکھ کا سانس لیا تھا اور اسے سراہا تھا، لیکن قومی مزاج کے عمومی بگاڑ، بانٹھووس دین سے دور نو دولتوں کے طرز عمل کی وجہ سے وہ تنقید کا نشانہ بنارہا، بالآخر اسے ختم کرنا پڑا۔

نواز شریف کا جاری کردہ مذکورہ آرڈی نینس کیا تھا؟ اس کی تاریخی حیثیت کے پیش نظر ہم اس کو ذیل میں درج کرتے ہیں کیوں کہ شرعی اعتبار سے اس کا جواز تھا اس اُمید پر کہ شاید دوبارہ اللہ تعالیٰ کسی حکمران کو اس کے نافذ کرنے کی توفیق عطا فرمادے اور دن و شب (قانون) کے بجائے اس کو نافذ کر دے، کیوں کہ دن و شب کا قانون بھی اگرچہ اسراف (فضول خرچی) سے بچانے ہی کے لیے نافذ کیا گیا ہے، لیکن علماء اسے اسراف کی کوئی خاص حوصلہ بخشی نہیں ہوئی ہے۔ اصحاب حیثیت اس پر خوش دلی سے عمل نہیں کرتے اور دن و شب کے قانون کے ہوتے ہوئے بھی بہت سی دشمنوں کا اہتمام عام ہے۔ اس لیے اصل ضرورت اسی آرڈی نینس کے نفاذ کی ہے جس کے نفاذ سے واقعی اسراف کا سدباب ہوا تھا اور کم وسائل کے حامل

ولیمے کا مسنون طریقہ اور غیر مسنون طریقے

حافظ صلاح الدین یوسف رحمہ اللہ

بننا یزین صرف نکاح کے لیے بارات سے پہلے نکاح کی الگ تقریب سے اجتناب کیا جائے اور اگر ناگزیر ہو تو گھر میں اس کا اہتمام ہو اور صرف گھر کے چند ضروری افراد کی موجودگی ہی کو کافی سمجھائے۔

اسلامی یا نبوتی:

بارات کی روایت سے قبل دلہا میاں تیار ہو کہ گھر میں بیٹھ جاتے ہیں اور بارات میں شریک ہونے والے اہل خاندان و دلہا کو اسلامی دیتے ہیں، اسے نبوت بھی کہا جاتا ہے۔ یہ نقد رقم ہوتی ہے جو سلامی کے نام پر دی جاتی ہے اور سے باقاعدہ لکھ کر رکھا جاتا ہے۔ زیادہ ہجوم ہو تو ایک شخص رقم کو دینے والے کے نام کے ساتھ لکھتا جاتا ہے۔ جو دوست احباب اس موقع پر نہیں ہوتے تو وہ ویسے کی دعوت میں دلہا یا اس کے والد کو دے دیتے ہیں۔

یہ رواج بھی اتنا عام ہے کہ شریک ہونے والے خاندان کا ہر بڑا فرد اور احباب میں سے ہر شخص اس اسلامی یا نبوتی کے بغیر شرکت میں سبکی محسوس کرتا ہے اور اسے خواہی غواہی کچھ نہ کچھ ضرور دینا ہی پڑتا ہے، علاوہ ازیں نہ دینے پر گوزبان سے اظہار نہ ہو، دل میں تنگی ضرور محسوس کی جاتی ہے۔

یہ ہدیہ تہنہ یا تعاون نہیں ہوتا بلکہ اس کو قرض سمجھا جاتا ہے اور قرض بھی سودی۔ یعنی جتنی رقم دی جاتی ہے، دینے والے کے پاس جب شادی کی تقریب ہوتی ہے تو اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اب لینے والا میری دی ہوئی رقم مع اضافہ لوٹائے اور رواج بھی یہی ہے کہ واپس کے وقت اضافہ کر کے ہی دی جاتی ہے۔ اس رسم کا جب کبھی آغاز ہوا ہوگا، اس وقت یقیناً جذبہ تعاون کے تحت ہی ہوا ہوگا۔ لیکن اب یہ تعاون کے بجائے متعدد قباحتوں کا باعث ہے۔ مثلاً:

نکاح کی الگ مستقل تقریب، اگر ناگزیر ہو تو.....

ایک اور سلسلہ عام ہوتا جا رہا ہے کہ کسی وجہ سے اگر لڑکے یا لڑکی والے کچھ عرصہ کے لیے رخصتی لینا یا کرنا پسند نہیں کرتے تو رشتہ مضبوط کرنے یا پارلے جانے کے لیے کاغذات کی تیاری کی غرض سے، بھاری بھرنا بارات سے پہلے، ایک مختصر تقریب میں صرف نکاح کی کارروائی پوری کر لی جاتی ہے۔

مذکورہ وجہ سے اگر واقعی ایسا کرنا ضروری ہو تو ایسا کیا جاسکتا ہے۔ لیکن شرعاً اس کا جواز اسی صورت میں ہوگا جب اس میں فضول خرچی کا پہلو نہ ہو۔ اور ایسا کب ہوگا؟ تب جب کہ اس تقریب میں گھر کے صرف چند ضروری افراد ہی لڑکی والوں کے گھر آئیں اور ایک کمرے میں بیٹھ کر نکاح کر لیا جائے اور بلا تکلف ماحضر تناول کر کے چلے جائیں۔ اس میں نہ ہجوم ہو کہ اس کے لیے لڑکے والے بھی ٹرانسپورٹ کا خصوصی انتظام کریں اور لڑکی والے بھی۔ (بارات سے پہلے) باراتیوں (لڑکے والوں) کے لیے پر تکلف کھانوں اور ہالوں کا انتظام کریں۔ یہ ایسا سادہ طریقہ ہے کہ دونوں خاندانوں پر کوئی خاص مالی بوجھ نہیں پڑتا اور دونوں فضول خرچی سے محفوظ رہتے ہیں جو شرعاً پسندیدہ امر ہے۔

لیکن اکثر دیکھا گیا ہے کہ اس کے لیے بھی باقاعدہ ہال اور پر تکلف کھانوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ اور دونوں خاندانوں کے افراد کافی معقول تعداد میں شریک ہوتے ہیں جس کی وجہ سے ایک سادہ سی گھر بلو تقریب بھی ایک پر ہجوم تقریب بن جاتی ہے۔ یہ طریقہ چونکہ غیر ضروری ہے اس لیے یہ شرعاً فضول خرچی کے دائرے میں آئے گا جس کے مرتکبین کو اللہ تعالیٰ نے شیطان کا بھائی کہا ہے۔

لیکن ایک گھر میں خاوند کے علاوہ اس کو خاوند کے ماں باپ اور بہن بھائی بھی ملتے ہیں، یہ ابتداء اس کے لیے اجنبی ہوتے ہیں اور ماحول بھی نامانوس۔ اب یہ عورت کی سمجھ بوجھ، لیاقت و ذہانت اور اس کے رویے پر منحصر ہے کہ وہ خاوند کو کس طرح اپنا بناتی ہے؟ اس کے والدین کو اپنے ماں باپ کی طرح سمجھتے ہوئے ان سے اپنائیت کا اظہار کرتی ہے یا اس کے برعکس غیریت کا تاثر دیتی ہے؟ اس نئے ماحول کو خوش گوار بناتی ہے جہاں اب زندگی کے باقی ایام اس نے گزارنے ہیں یا اس کو ناگوار می میں ڈھال کر اپنی زندگی بھی اجیرن بنا لیتی ہے اور دوسروں کو زندگیوں میں بھی زہر گھول دیتی ہے۔

اس میں چند عوامل نہایت مؤثر کردار ادا کرتے ہیں جو مستقبل کو سنوار بھی سکتے ہیں اور بگاڑ بھی سکتے ہیں۔

۱۔ والدین کی ذمہ داری:

اس میں اولین ذمہ داری عورت کے والدین کی ہے۔ وہ بچی کو اچھی تربیت دیں جس میں حسب ذیل چیزیں شامل ہیں:

① دینی تعلیم و تربیت کا اہتمام، احکام شریعہ کی پابندی اور سادگی کی تلقین۔

② خانگی اُمور کی تربیت۔ اس میں کھانے پکانے کی مہارت، صفائی ستھرائی کی تاکید، بچوں کی دیکھ بھال، گھریلو اخراجات میں کفایت شعاری اور سلیقہ پن شامل ہیں۔

③ ساس سُسر کے احترام کی تلقین، زندوں کے ساتھ پیار محبت اور شفقت کا سلوک، خاوند کی اطاعت و خدمت گزاری اور ہر حالت میں وفاداری کا مظاہرہ کرنے کی تاکید۔

④ بیٹی کو سمجھائیں کہ سسرال میں پیش آنے والے چھوٹے موٹے معاملات، معمولی تلخیاں یا کبھی کبھی تعلقات کی ناخوش گواریاں برداشت کی جائیں، صبر تحمل اور دانش مندی سے ان کو سلجھایا جائے اور روزمرہ کے واقعات یا کبھی کبھی کی ناخوش گواریوں کا ذکر اپنے ماں باپ سے نہ کیا جائے۔ اس سے والدین کے دلوں میں سسرالیوں سے نفرت پیدا

تعاون کی ضرورت ہے یا نہیں، اب صرف رسم کے طور پر اس کو کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لکھ پتی اور کروڑ پتی خاندانوں میں بھی اس کا اہتمام ہوتا ہے حالانکہ ان کو اس تعاون کی قطعاً ضرورت نہیں ہوتی۔

واپسی پر زیادہ دینا اور اس کا واپس کرنا ضروری ہے۔ اس طرح یہ ایک قرض کی صورت بن جاتی ہے اور قرض پر زیادہ لینا ہی سود ہے۔ اس اعتبار سے یہ باہم تبادلہ سودی طریقہ ہے۔

دعوت قبول کرنے کا حکم ہے، لیکن شادی (بارات یا ولیمہ) کی دعوت خالص دعوت نہیں رہتی کیوں کہ کچھ نہ کچھ دینا ضروری سمجھا جاتا ہے جب کہ دعوت بے لوٹ ہوتی ہے اور اسے ہی قبول کرنے کی تاکید ہے، اس اعتبار سے یہ بارات یا ولیمہ کی دعوت بھی اسلامی دعوت نہیں ہے بلکہ یہ خود غرضی کا یا باری اُتارنے یا وصول کرنے کا ایک سلسلہ ہے جو شادی بیاہ کی زیر بحث رسومات ہی کا ایک حصہ ہے۔

بنابریں ضروری ہے کہ دین کا صحیح شعور رکھنے والے مسلامی یا نبوتے کی اس رسم کا بھی خاتمہ کریں، اس کا بھی کوئی شرعی جواز نہیں ہے۔ البتہ کوئی رشتہ دار غریب ہے اور اسے تعاون کی ضرورت ہو تو اس کے ساتھ ضرور تعاون کیا جائے۔ اس کی دو صورتیں ہیں:

۱: آپ اگر صاحب حیثیت ہیں تو اس کے ساتھ اللہ کی رضا کے لیے تعاون کریں۔ نیز سادگی کے ساتھ شادی کرنے کی تلقین کریں۔

۲: قرض حسد کے طور پر حسب ضرورت تعاون کر دیا جائے۔

عورت نئے گھر میں نئے ماحول میں:

عورت رخصتی کے بعد اپنے والدین اور گھر کو چھوڑ کر ایک دوسرے گھر میں جاتی ہے۔ والدین کے ہاں تو اس کو بھر پور پیار اس لیے ملا کہ وہ والدین کے جگہ کا کلکراتھی، اولاد نا فرمان ہو تب بھی والدین سے پیار اور شفقت کے سوا کچھ نہیں ملتا۔ پھر جس گھر اور ماحول میں وہ پروان چڑھی وہ اس کے لیے نہایت مانوس تھا۔

یوگی جو دونوں خاندانوں کے تعلقات میں خرابی اور بگاڑ کا باعث ہوگی۔
ہاں، اگر واقعی سسرال والوں کا رویہ نبی دہن کے ساتھ اچھا نہیں
ہے، یہاں پیار کے بجائے اسے نفرت کا سامنا ہے، عدل و انصاف
کے بجائے ظلم و ستم کی گرم بازاری ہے اور اس کو گھر میں وہ قرار واقعی
مقام نہیں دیا جا رہا ہے جس کا وہ استحقاق رکھتی ہے۔ تو پھر اس انہونی
سورس حال سے والدین کو ضرور مناسب انداز سے آگاہ کیا جائے
تا کہ وہ اس کا حل نکال سکیں۔ تاہم عام حالات میں چھوٹی چھوٹی باتیں
ماں باپ کو پہنچا کر ان کے سکون کو برباد کرنا نہ کوئی دانش مندی ہے اور
نہ سسرال میں رہنے کا کوئی قرینہ و سلیقہ۔

④..... بعض مائیں پیشگی ہی اپنی بیٹی کو اس طرح کی پٹی پڑھا
دیتی ہیں کہ دیکھنا وہاں کسی سے دب کر نہیں رہنا، اپنا رعب جمائے کی
کوشش کرنا، کسی کی ماتحتی قبول نہیں کرنا، وغیرہ۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے
کہ عورت کو گھر میں حکمت و دانش، پیار محبت اور تواضع و انکساری
کے ذریعے سے اپنا جو مقام بنانا ہوتا ہے، اس سنہری موقع کو وہ ضائع
کر دیتی ہے اور ماں یا سہیلیوں کے پڑھائے ہوئے سبق پر عمل
کرتے ہوئے محاذ آرائی کی فضا یا سرکشی کی صورت پیدا کر دیتی
ہے اور یوں بنانا یا کھیل سب گبڑ کر رہ جاتا ہے اور حسین خوابوں کا
شیش محل چکنا چور ہو جاتا ہے۔

اس لیے ماؤں کو اس قسم کا سبق بچیوں کو ہرگز نہیں پڑھانا چاہیے بلکہ
اس کے برعکس اس کو برائی کو اچھائی سے ٹالنے کی اور عارضی تکلیفوں کے
مقابلے میں صبر و حکمت سے کام لینے کی، بڑوں کا ادب و احترام اور
چھوٹوں پر شفقت کرنے کی تلقین کرنی چاہیے۔ جیسا کہ ہمیں انھی باتوں
کو اختیار کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَلَا تَسْتَوِي الْحَسَنَةُ وَلَا السَّيِّئَةُ ادْفَعْ بِالَّتِي هِيَ
أَحْسَنُ فَإِذَا الَّذِي بَيْنَكَ وَبَيْنَهُ عَدَاوَةٌ كَأَنَّهُ وَلِيٌّ

حَنِيمٌ ٥٠﴾ (حم السجدة: ٢٤)

”نیکی اور بدی برابر نہیں ہوتی، برائی کو بھٹلائی سے دور کرو

(ایسا کرو گے تو) پھر وہی جس کے اور تمہارے درمیان دشمنی
ہے، ایسا ہو جائے گا جیسے وہ دلی دوست ہے۔“
اور نبی ﷺ کا فرمان ہے:

((لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيرَنَا وَلَمْ يُوقِرْ
كَبِيرَنَا.)) (جامع ترمذی، رقم: ۱۹۹۹)
”اس کا ہم (مسلمانوں) سے تعلق نہیں جو ہمارے چھوٹوں
پر شفقت (رحم) نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا ادب و احترام
مخووظ نہیں رکھتا۔“

۲۔ مرد کے لیے حکمت و دانش کی ضرورت:

دوسرے نمبر پر خاندان کا کردار ہے۔ جب نئی نویلی دہن ایسے گھر
میں آتی ہے جہاں شوہر کے والدین، اس کے بہن بھائی اور بھائیوں
وغیرہ بھی ہوتی ہیں تو پھر مرد کا امتحان شروع ہو جاتا ہے۔ اس طرح
کے مشترکہ خاندان میں عورتوں (ساس، تندوں وغیرہ) کے ساتھ کھڑاؤ
کا خطرہ ہر وقت سر پر لگی تلوار کی طرح رہتا ہے۔ کسی وقت ساس بہو
کے درمیان تکرار ہو جاتی ہے تو کبھی تندوں کے ساتھ نوک جھوک، یا
بھائیوں یا ان کے بچوں کے ساتھ کوئی معاملہ۔ ان میں سے ہر ایک
کے ساتھ مرد کا خصوصی تعلق ہے، گو اس کی اہمیت و نوعیت ایک
دوسرے سے مختلف ہے، لیکن ہر ایک کے ساتھ تعلق کے خصوصی ہونے
میں کوئی شک نہیں ہے۔

❁ ایک عورت اس کی بیوی بن کر اس کے پاس آئی ہے، وہ اپنے ماں
باپ کے گھر میں ناز و نعمت میں پلی ہے، وہ ماں باپ کی آنکھوں کا
تارا اور ان کے دلوں کا کھڑا رہی ہے، اس نے گھر میں اس کو ماں
باپ کی محبت و شفقت کا بدلہ بلکہ نعم البدل ملنا چاہیے (شریعت کا
حکم بھی یہی ہے۔)

❁ اس مرد (خاندان) کی ماں ہے، جس نے اس کی خاطر ہر طرح
کی مشقتیں برداشت کی ہیں، اس کو پال پوس کر جوان کیا ہے،
پھر اس کی حسب خواہش اس کی جوانی کی آرزو (شادی

کر کے) پوری کی ہے۔ بیوی کے آجانے کے بعد بھی ضروری ہے کہ اس کی طرف سے ماں کی خدمت، حسن سلوک، ادب و احترام میں کوئی کمی نہ آئے۔

✽ گھر میں باپ ہے، جس نے دکھ دیکھا نہ سکھ، ہر حالت میں شہ دروز محنت کر کے دولہا کی کفالت کی، اس کی تعلیم سے لے کر زندگی کی ہر ضرورت تک، اس نے دساں مہیا کیے، آخر میں شادی کا بند دہست کیا۔ کیا اب دولہا میاں کو یہ زیب دے گا کہ شادی کے بعد وہ اپنے محسن باپ سے ادب و احترام اور حسن سلوک کے تقاضوں کی ادائیگی میں کوتاہی کرے؟

✽ دولہا کی بہنیں ہیں یا چھوٹے بھائی ہیں، ان کی بھی محبت کے کچھ تقاضے ہیں جن کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

بچی کے تو دو ہی پاٹ ہوتے ہیں جن کے درمیان آنے کا محاورہ مشہور ہے۔ لیکن یہاں تو کئی پاٹ ہیں جن میں شادی کے بعد ایک مرد کو خواہی خواہی آنا پڑتا ہے۔ ان پائوں کی زد میں آنے سے بچاؤ کے لیے اسے حکمت و دانش سے کام لینا پڑے گا جس میں شریعت اسلامیہ اس کی پوری مدد کرتی ہے اور اگر مرد شریعت کے دائرے میں رہتے ہوئے سب کے حقوق کی ادائیگی میں (حسب مراتب) مخلص ہوگا اور کسی کے ساتھ بھی تجاوز کرنے کی نیت نہیں رکھے گا تو یقیناً اللہ تبارک و تعالیٰ اس کی مدد فرمائے گا اور وہ اس امتحان میں سرخ زور رہے گا اور اس پل پر صراط کو عبور کرنے میں کامیاب ہو جائے گا۔

۳۔ ساس کا کردار:

تیسرے نمبر پر دولہا کی ماں کا کردار ہے جس کو ساس کہا جاتا ہے اور ہمارے معاشرے میں ساس بہو کا رواجی کردار مشہور ہے اور اس کے بارے میں مختلف حکایتیں اور کہاوٹیں عام ہیں۔

ساس حسب ذیل تجاوز یا تدابیر کو اختیار کرے تو یقیناً حسن کردار کے تقاضے پورے ہو سکتے ہیں:

۱۔ مذکورہ آیت و حدیث پر عمل کرتے ہوئے برائی کو بھلائی سے

ٹالے، نفرت کی بجائے محبت و اپنائیت کا مظاہرہ کرے، شفقت و نرمی کو معمول بنائے۔

۲۔ بیٹے کا گھر آباد کرنے کی نیت سے خوب دیکھ بھال کر دہن کو گھر میں لا کر رکھا ہے، اب گھر کو آباد رکھنے کی نیت کر لے اور اس کے جو تقاضے ہیں ان کو بروئے کار لائے۔

۳۔ بہو کی خوبیوں کو سراہے، کوتاہیوں سے درگزر کرے۔ جو کوتاہیاں سمجھانے سے دور ہو سکتی ہیں، اسے سمجھا کر دور کرنے کی غلصہ اور ہمدردانہ کوششیں کی جائیں، بار بار سمجھانے میں بھی گرائی محسوس نہ کرے، اس کی ناجہی پر غصے اور ناراضی کا اظہار کرنے کے بجائے چھوٹوں پر شفقت کرنے کے جذبے کو توانا اور برقرار رکھے۔

۴۔ بہو کو غیر نہ سمجھے بلکہ بیٹیوں کی طرح اُسے عزیز رکھے، اسے بیٹیوں والا پیار اور شفقت دے، بیٹیوں کی غلطیوں کو جس طرح بار بار کرنے کے باوجود نظر انداز کر دیا جاتا ہے، بہو کی غلطیوں کی بھی یہی حیثیت دی جائے۔

۵۔ اس میں کھانے پکانے کی صحیح مہارت نہ ہو تو اس کی ہاں کوتاہی کو بہت درجہ دور کیا جائے۔ طعن و تشنیع کے بجائے اس کو نواہی و نصیحت کے خوش ذائقہ کھانوں کے طریقے اور ترکیبیں سمجھائی جائیں۔

۶۔ بیٹا اگر بیوی سے محبت کرتا ہے اور یہ محبت کرنا فطری بات بھی ہے اور اس کا حق بھی ہے۔ نبی ﷺ کا فرمان ہے کہ میاں بیوی کے درمیان جو محبت ہوتی ہے اس کی کوئی دوسری مثال ناپید ہے۔ اس کی اس فطری محبت اور اس کے مظاہر کو برداشت کیا جائے، اس کو اپنا رقیب یا حریف سمجھنے کی غلطی نہ کی جائے۔ آخر شادی کا مقصد بھی اس کے سوا اور کیا ہوتا ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے سے زیادہ سے زیادہ محبت کریں۔ شادی کے بعد اس محبت پر اعتراض کا کیا جواز ہے؟

۴۔ بیوی کا حسن کردار اور حسن تدبیر:

گھر کو آباد رکھنے میں چوتھے نمبر پر بیوی کا کردار اور اس کی

اول:

حسن تدبیر ہے۔

اگر عورت حسب ذیل باتوں کا خیال رکھے تو وہ بھی یقیناً اپنے گھر کو امن و سکون کا گہوارہ اور جنت کا نمونہ بنا سکتی ہے:

۱۔ تپوٹوں (تندوں وغیرہ) پر شفقت اور پروں (ساس، سرسر وغیرہ) کے ادب و احترام کو اپنا شعار بنائے اور اس میں کسی مرحلے پر بھی کوتاہی نہ کرے۔

۲۔ امور خانہ داری میں پوری دلچسپی لے، کھانے پکانے کا کام ہو، صفائی ستھرائی کا مسئلہ ہو، بہانوں کی خاطر تواضع کا مرحلہ ہو، عزیز و اقارب سے تعلقات نبھانے کا مسئلہ ہو، خاوند یا ساس سرسری خدمت کی ضرورت ہو، بچوں کی دیکھ بھال اور نگرانی کی ذمہ داری ہو، وہ کسی بھی مرحلے میں غفلت، سستی یا لاپرواہی کا مظاہرہ نہ کرے۔ عورت کی عزت، خدمت اور مسلسل خدمت ہی میں ہے۔ خدمت سے گریز کر کے کوئی عورت نہ عزت حاصل کر سکتی ہے۔

۳۔ آواز نہ گھردالوں کے لیے آرام و راحت کا باعث ہو سکتی ہے۔ عورت سلیقہ مند بھی تب ہی کہلائی اور سچھی جائے گی جب وہ مذکورہ امور حسن و خوبی سے انجام دے گی، ورنہ وہ پھو ہڑ عورت کہلائی اور سچھی جائے گی۔ اور خاندان اور معاشرے میں سلیقہ مند عورت ہی معزز و محترم سمجھی جاتی ہے نہ کہ پھو ہڑ عورت۔

۴۔ عورت نئے گھر میں آکر اپنے ماں باپ کے گھر کو بھول جائے۔ گھر کو بھول جانے کا مطلب ماں باپ کو بھول جانا نہیں ہے، وہ تو ایک لازوال تعلق ہے، اس کو کس طرح بھلا یا یاد سے نکالا جاسکتا ہے، ماں باپ سے محبت کا تعلق تو سدا قائم رہنا اور قائم رکھنا ہے۔ پرانے گھر کو بھول جانے کا مطلب یہ ہے کہ عورت یہ سمجھے کہ اب میرا جینا اور مرنا اس نئے گھر کے ساتھ ہی وابستہ ہے، اب میں نے اسی کو سنوارنا اور سنبھالنا ہے۔

لیکن اس جذبہ کو ردِ عمل لانے اور اس خاکے میں رنگ بھرنے کے لیے چند باتوں کا اہتمام ضروری ہے:

اس گھر کے عمرو سیر کو برداشت اور اس کی اونچ نیچ کو انگیز کیا جائے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں کی چھوٹی چھوٹی باتیں بڑھا چڑھا کر ماں باپ تک نہ پہنچائی جائیں، چھوٹی موٹی باتیں ہر گھر میں ہوتی ہیں حتیٰ کہ ماں بیٹیوں کے درمیان اور باپ بیٹیوں کے درمیان اور بھائی بہنوں کے درمیان بھی ہوتی رہتی ہیں۔ اگر ساس بہو، یا بھانج ندوں کے درمیان یا میاں بیوی کے درمیان ہوتی ہیں تو یہ کوئی نہ انہونی بات ہے کہ ماں باپ کو اس سے ضرور آگاہ کیا جائے اور نہ ان کی ایسی اہمیت ہے کہ ماں باپ کے علم میں انھیں لانا ضروری ہو۔ بلکہ یہ رویہ سخت خطرناک اور آباد کاری کے منافی ہے۔

دوم:

عورت اس نئے گھر کے ماحول کو سمجھے اور اپنے آپ کو اس ماحول میں پوری سنجیدگی سے ڈھالے۔ ماں باپ کے گھر میں وہ کام کرتی تھی، وہ یہاں اگر نہیں ہوتے تو ان کو یہاں کرنے پر اصرار نہ کرے اور جو کام اس نے اپنے گھر میں کبھی نہیں کیے لیکن یہاں وہ کیے جاتے ہیں تو ان کے کرنے میں تامل یا گریز نہ کرے، بہ شرط کہ ان میں شریعت سے تجاوز نہ ہو۔

اسی طرح ماں باپ کے گھر میں اسے جو سہولتیں حاصل تھیں، نئے گھر میں وہ سہولتیں کم ہیں یا ان کا فقدان ہے تو اس سے نہ گھبرائے اور نہ پریشان ہو اور نہ اس کی وجہ سے ماں باپ کو کوسے۔ بلکہ اللہ سے دعا کریں گے اور بہتری کے لیے مل جل کر کوششیں جاری رکھے اور اللہ کا یہ فرمان یاد رکھے:

﴿فَإِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا إِنَّ مَعَ الْعُسْرِ يُسْرًا﴾

[الانشراح: ۶۵]

”بے شک مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔ بلاشبہ مشکل کے ساتھ آسانی ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے تکرار کے ساتھ دو مرتبہ اس حقیقت کا اظہار فرما کر

اس طرح اشارہ فرمایا ہے کہ مشکلات سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ہے، یقیناً اللہ تعالیٰ مشکلات کو آسانیوں میں تبدیل کرنے پر قادر ہے اور جو لوگ اللہ سے اُمیدیں وابستہ کرتے ہوئے صبر کرتے اور مشکلات برداشت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کی ضرورت مند فرماتا ہے اور ان کے لیے آسانیاں پیدا فرماتا ہے۔

سوم:

اگر اس کو خاندانِ ایسا ملا ہے جو اس کی سوچ اور معیار سے کم ہے، وہ اس کے خوابوں کا شہزادہ نہیں ہے، اب اس کو نوشتہ تقدیر سمجھ کر دل سے قبول کر لے اور صبر و شکر سے کام لے، ہو سکتا ہے اللہ تعالیٰ اسی میں اس کے لیے اس کے حسین سپنوں سے زیادہ بہتری پیدا فرمادے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿وَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَعَسَىٰ أَنْ تُحِبُّوا شَيْئًا وَهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ وَاللَّهُ يَعْلَمُ وَأَنْتُمْ لَا تَعْلَمُونَ﴾ البقرة: ۱۶۱

”ممکن ہے تم کسی چیز کو ناپسند کرو اور وہ تمہارے لیے بہتر ہو اور ممکن ہے تم کسی چیز کو پسند کرو جب کہ وہ تمہارے لیے بری ہو (کیوں کہ) اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے۔“

ایک نہایت دلچسپ حکایت:

وہ دلچسپ اور عبرت آموز حکایت یہ ہے کہ ایک عورت نہایت حسین و جمیل تھی لیکن خاندان سے اتنا ہی بد شکل اور بد صورت ملا۔ کسی نے اس عورت سے پوچھا کہ تو اتنی خوب صورت ہے اور تیرا خاندان اتنا بد صورت؟ تیرا نر ارا اس کے ساتھ کسی طرح ہو رہا ہے؟ اس نے اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا: ہمارا نر ارا بہت اچھا ہو رہا ہے۔ اور وہ اس طرح کہ اللہ نے اس کو میرے جیسی حسین و جمیل بیوی عطا کر دی جس پر وہ اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور مجھے اس جیسا بد صورت خاندان ملا تو میں نے اس پر صبر کیا اور صابر و شاکر دونوں کے لیے اللہ کی طرف سے جنت کا وعدہ ہے۔ ہمیں اُمید ہے کہ یہ دنیا تو چند روزہ ہے، گزر رہی

جائے گی، لیکن ہم دونوں صبر اور شکر کرنے کی وجہ سے جنت کے حق دار قرار پائیں گے۔

یہ حکایت جتنی دلچسپ ہے، اتنی ہی حکمت و موعظت سے لبریز ہے۔ کاش! عورتیں احساسِ محرومی کے وقت اس میں پنہاں سبق کو حرز جان بنالیں۔

چہارم:

اگر مشترکہ گھر میں جھگڑا اور یو را در ان کی بیویاں اور بچے بھی ہوں تو یہاں بھی عورت چھوٹوں پر شفقت اور بڑوں کے ادب و احترام والے اس سبق کو یاد رکھے جس کی تلقین مذکورہ حدیث میں کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں خوش اخلاقی اور خوش زبانی کا التزام کرے اور ان کے تقاضوں سے کسی بھی مرحلے پر انحراف نہ کرے۔

مشترکہ خاندان میں دونوں باتوں کی قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے کیوں کہ اکٹھے رہنے میں جہاں بہت سے فائدے یا مجبوریات ہیں وہاں لڑائی جھگڑے کے امکانات بھی بہت زیادہ ہیں۔ بعض دفعہ عورتوں میں یا ہم کسی بات پر تکرار ہو سکتی ہے، بھائیوں کے درمیان اختلافات ہو سکتے ہیں، بچوں کا آپس میں مل کر کھیلنا کودنا ناودانی اور ناگہمی میں ایک دوسرے کو زک پہنچانا، بچوں میں معمول کی بات ہوتی ہے۔ چھوٹوں پر شفقت کا تقاضا ہے کہ بچوں کی لڑائی کو ایسا ہی سمجھا جائے جیسے بچپن میں حقیقی بہن بھائی ایک دوسرے کو مار پیٹ لیتے ہیں یا زیادہ تیز طرار بچہ دوسرے بچوے بھالے بھائی کی چیزیں چھین لیتا یا زیادتی کرتا ہے تو ان کو نا سمجھ جانتے ہوئے برداشت کیا جاتا ہے۔ یہی رویہ ساترے بھائیوں کے چھوٹے بچوں کے ساتھ اپنا ضروری ہے، سب کو اپنے ہی بچوں کی طرح سمجھیں اور دیکھیں اور ان کی آپس میں باہمی معصومانہ لڑائیوں کو نظر انداز کریں اور ان کی لڑائی کو بڑوں کی لڑائی میں تبدیل نہ کریں اور نہ ہونے دیں۔

اس رویے کے اپنانے میں بڑوں کے ادب و احترام اور خوش اخلاقی و خوش زبانی کا بھی برا دخل ہے، کوئی بھی عورت ان کے تقاضوں

کے بلکہ دل کی گہرائیوں سے ان کو ماں باپ والا احترام دے، ان کے ساتھ گستاخانہ رویہ کسی حال میں بھی روا نہ رکھے۔ ساس اس کو امور خانہ کے بارے میں جو ہدایات دے، ان کو بہ صمیم قلب قبول کرے، ان کو بروئے کار لانے میں عملاً کوئی کوتاہی نہ کرے، ساس کو بار بار سمجھانے کی ضرورت پیش نہ آئے۔ یہ ضرورت اسی وقت پیش آتی ہے جب بہوان ہدایات کی نہ پروا کرتی ہے اور نہ ان ہدایات کی روشنی میں اپنا رویہ تبدیل کرتی ہے۔ حالانکہ ان ہدایات کا مقصد عام طور پر بہو کی اصلاح، گھر کی اصلاح اور روزمرہ کے معمولات میں پیش آنے والی کوتاہیوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ ان ہدایات کی پابندی اور نسیجیدگی سے ان پر عمل کرنے سے بہو کے کردار ہی میں بہتری آتی ہے اور گھروالوں کی نظر میں اس کی عزت اور احترام میں اضافہ ہی ہوتا ہے۔

لیکن بار بار کے سمجھانے کے باوجود اگر بہو اپنی اصلاح نہیں کرتی تو اس سے یقیناً وہ گھروالوں کی نظر میں اس احترام سے محروم ہو جاتی ہے جو اس کا حق ہے اور جو اس کو اس گھر میں ملنا چاہیے۔ لیکن اس کی وجہ اس کی اپنی کوتاہی ہی سے جو کسی سمجھ دار بہو سے متوقع نہیں ہے، علاوہ ازیں بہو کا یہ کردار بھی گستاخی پر مبنی ہے کہ ساس، جو بہ منزل ماں کے ہے، اس کو ایک بات بار بار سمجھاتی ہے لیکن وہ اس کو اختیار نہیں کرتی اور اس کے مطابق اپنی اصلاح نہیں کرتی تو یقیناً یہ گستاخی ہے جس کی نہ شرعاً اس کو اجازت ہے نہ اخلاقاً اور نہ مصلحتاً۔

مصلحت تو اسی میں ہے کہ وہ ساس کی سمجھائی ہوئی باتوں کو اہیت دے، آخر اب دلہن نے اسی گھر میں رہنا ہے۔ ساس کا قرار واقعی احترام کر کے اس کے دل میں اپنا مقام اور اپنا وقار بنائے، یہی دانش مندی ہے یہی عزت و وقار کا باعث اور امن و سکون کی خوش گوار فضا قائم کرنے اور قائم رکھنے کا ذریعہ ہے، اسی میں خاوند کی بھی رضا مندی ہے اور اس کی رضا مندی، احکام شریعت کی پابندی کے بعد، جنت کی ضمانت ہے۔

میاں بیوی کی رنجش میں میسکے والوں کا کردار:

حضرت بہل بن سعد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ

سے بھی کبھی غفلت نہ برتتے بلکہ ان خوبیوں کو اپنی سیرت و کردار کا حصہ اور زندگی کا معمول بناتے۔ یہ اللہ رسول کا بھی حکم ہے اور حکمت و دانش کا مظہر بھی۔ جس کے اختیار کرنے میں آخرت کی بھی بھلائی ہے اور دنیوی زندگی میں خیر اور فلاح کا ذریعہ بھی۔ اللہ کی نظر میں بھی پسندیدگی کا باعث ہے اور خاندان میں بھی عزت اور نیک نامی کا ذریعہ۔ وفق الله جميع المسلمين والمسلمات لما يحب ويرضى.

پنجم:

اگر خاوند کے وسائل الگ گھر لے کر الگ رہنے کے متحمل نہیں ہیں تو عورت خاوند کو کبھی بھی اس پر مجبور نہ کرے، بلکہ مذکورہ ہدایات کی روشنی میں مشترکہ طور پر ہی گزارا کرے تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسانیاں پیدا فرمادے۔

ہاں، اگر خاوند کے وسائل اس امر کی اجازت دیں کہ وہ الگ مکان لے سکتا ہے (کرائے پر یا خرید کر) اور وہاں وہ اپنے بیوی بچوں کے ساتھ خوش اسلوبی سے گزارا کر سکتا ہے اور علیحدہ رہ کر والدین کی بھی حسب ضرورت اور حسب استطاعت خدمت کر سکتا ہے تو شادی کے بعد علیحدگی میں شرعاً کوئی قباحت نہیں ہے بلکہ اس صورت میں علیحدگی بہتر ہے۔ ایسی صورت حال میں والدین کو بھی چاہیے کہ وہ بیٹے کو بہ رضا و رغبت علیحدہ رہنے کی اجازت دے دیں۔

ششم:

بڑوں کے ادب و احترام کی بابت جو عرض کیا گیا ہے، ان میں ساس سر (دولہا کے ماں باپ) سر فرست ہیں۔ سسرال میں آنے کے بعد عورت کے لیے اس کی ساس اور سسر بھی ماں باپ کے درجے میں ہیں۔ اب اس گھر میں جس طرح یہ دولہا کے ماں باپ ہیں دلہن کے بھی ماں باپ ہیں۔ ماں باپ کے لیے بھی ضروری ہے کہ آنے والی دولہن کو بیٹی کی حیثیت دیں اور بیٹیوں والی شفقت اور پیار سے دیں، اسی طرح عورت بھی ان کو زبان ہی سے ”امی، ابو“ نہ

ہمارے پاس ایسی صورت میں اس کے برعکس بالعموم یہ ہوتا ہے کہ لڑکی والے لڑکی کو اپنے گھر لے آتے ہیں یا بعض لڑکیاں اتنی جسارت کرتی ہیں کہ از خود اپنے میکے آ جاتی ہیں۔

ماں باپ بیٹی کی محبت میں اس کے اس غلط اقدام کی حمایت کر کے اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، یوں معاملہ بگڑ جاتا ہے اور اختلاف کی چنگاری شعلہ بن جاتی ہے۔ جس سے بعض دفعہ گھر ہی بھسم ہو کر رہ جاتا ہے۔

بیٹی کی یہ محبت غیر دانش مندانہ قدم ہے اور اس قسم کا فیصلہ جلد بازی کا مظاہرہ ہے۔ نہ یہ بے دانشی صحیح ہے اور نہ یہ جلد بازی ہی مناسب ہے۔ محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ بیٹی کا گھر آباد ہی رہے، یہ جذبہ تمام باتوں پر غالب رہے۔ اس کے لیے بہتر حکمت عملی یہی ہے کہ بچی کو ہر حالت میں سسرال ہی میں رہنے دیا جائے، اگر وہ خود آ جائے تو اس کی حوصلہ شکنی کی جائے اور اسے فوراً سسرال پہنچا دیا جائے اور مناسب انداز سے باہم پیدا ہونے والے اختلاف کو دور کرنے کی سعی کی جائے، بیٹی کی غلطی ہو تو اس کی سرزنش کی جائے۔ سسرال والوں کی غلطی ہو تو ان کو سمجھایا جائے۔ لیکن کسی حالت میں بھی بچی کو نہ خود گھر میں لا کر بٹھائیں اور نہ بچی کو گھر میں آنے دیں۔ بچی سے محبت کا صحیح تقاضا اس کے گھر کو آباد رکھنا ہے نہ کہ اس کی حوصلہ افزائی کر کے اس کے گھر کو آ جائے۔

شریعت اسلامیہ نے تو اس نکتے کو اتنی اہمیت دی ہے کہ پہلی اور دوسری طلاق میں بھی، جن میں عدت کے اندر خاوند کو رجوع کرنے کا حق رہتا ہے، یہ حکم دیا ہے کہ مطلقہ کو خاوند ہی کے گھر میں رہنے دیا جائے۔ طلاق مل جانے کے باوجود والدین اس کو اپنے گھر مت لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿لَا تَخْرُجُوهُنَّ مِنْ بُيُوتِهِنَّ وَلَا يَخْرُجْنَ إِلَّا أَنْ يَأْتِيَنَّ بِفَاحِشَةٍ مُبَيَّنَةٍ﴾ [الطلاق: ۱]

”(طلاق کے بعد) ان کو ان کے (اپنے) گھروں سے مت نکالو اور نہ وہ خود نکلیں، ہاں اگر وہ کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں تو اور بات ہے (پھر نکالنے کا جواز ہے۔)“

اپنی صاحبزادی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے گھر تشریف لے گئے، وہاں حضرت علی رضی اللہ عنہ موجود نہیں تھے، آپ رضی اللہ عنہ نے اپنی صاحبزادی سے پوچھا تمہارے عم زاد کہاں ہیں؟ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے جواب دیا:

”کلان بینی وینہ شیء فضا ضبنی فخرج فلم يقل عسلی“
”میرے اور ان کے درمیان کوئی بات ہو گئی تھی تو وہ گھر سے غصے سے چلے گئے ہیں اور میرے پاس قیلولہ بھی نہیں کیا۔“

رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے کسی شخص سے کہا: ان کو دیکھو! وہ کہاں ہیں۔ اس نے آ کر بتلایا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ مسجد میں سوئے ہوئے ہیں۔ رسول اللہ رضی اللہ عنہ مسجد میں تشریف لائے، دیکھا کہ وہ واقعی وہاں سوئے ہوئے ہیں، ان کی چادر (نیند کی وجہ سے) ان کے پہلو سے گری ہوئی ہے اور ان کے جسم کو مٹی لگ گئی ہے، رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

((قم ابا تراب! قم ابا تراب!))

(صحیح بخاری، رقم: ۴۴۱)

”ابوتراب اٹھو! ابوتراب اٹھو!“

اس وقت سے اس کی یہ کنیت مشہور ہو گئی اور چونکہ اس کنیت سے آپ رضی اللہ عنہ کو خطاب رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا، اس لیے یہ کنیت حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بہت پسند تھی۔

ابوتراب کے معنی ہیں مٹی والے۔ چونکہ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرش زمین پر لیٹے ہوئے تھے اور چادر جسم سے اتر جانے کی وجہ سے جسم پر مٹی لگ گئی تھی، اس لیے رسول اللہ رضی اللہ عنہ نے ان کو ابوتراب سے خطاب فرمایا۔

اس واقعہ میں یہ نہایت اہم سبق پنہاں ہے کہ میمن بیوی کے درمیان اگر کوئی رنجش ہو جائے اور لڑکی کے گھر والوں کو اس کا علم ہو جائے تو اس کا حل یہ نہیں ہے کہ بچی کو فوراً اپنے گھر لے آئے، یا بچی از خود خاوند کے گھر سے نکل کر میکے چلی آئے۔ بلکہ عورت گھر ہی میں رہے، عورت کے گھر والے بھی اسے اپنے خاوند ہی کے گھر میں رہنے دیں، البتہ پہل کر کے خاوند سے رابطہ کریں اور میاں بیوی کے درمیان پیدا ہونے والی رنجش کو دور کر دیں اور اس کے لیے مناسب تدابیر اختیار کریں۔